حیات معصومین(ع) /۶

امام زین العابدین علیہ السلام



حیات معصومین (ع) ۲

علیہ السلام

امام زین العابدین



عرض ناشر

حضرت رسول اکرمؐ اور ائمۂ معصومین علیہم السلام کی پاکیزہ حیات ہر عہد و عصر کے انسانوں کے لئے بہترین سر مشق اور نمونہ حیات ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جسکی حکایت قرآن کریم بھی کرتا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (احزاب/۲۱) پیغمبر اکرمؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے علاوہ قرآن حکیم، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طیّب و طاہر حیات کو بھی بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ عمل قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم و الذین معہ"

در حقیقت ایک مکتب فکر اس وقت تک محکم و پائیدار نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا، اگر اس میں کوئی آئیڈیل یا نمونۂ عمل نہ ہو. اس روشن حقیقت سے نہ صرف دینی مکاتب فکر آگاہ ہیں بلکہ اس کی اہمیت سے بے دین اور الحادی مکاتب فکر بھی نہ صرف آشنا ہیں بلکہ اس سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں اور نسلوں و قوموں کو انہی ہتھکنڈوں سے

گمراہ کرتے ہیں اور آج الحادی دنیا اس روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثقافتی و تہذیبی شبخون کے ذریعہ قوموں، تہذیبوں اور جوان نسلوں کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

ہم جو کہ مسلمان ہیں اور قرآن کریم کے دستور پر عمل کرتے ہیں اور قرآن ہمیں "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے ذریعہ انسانیت بلکہ پوری خلقت کے بہترین نمونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور ان کی زندگیوں کو اپنے لئے نمونہ حیات بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت آدمؑ سے صبح قیامت تک مردوں کی صنف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام اور عورتوں کی صنف میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی شخصیتوں کی کوئی مثال نہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ ان ذوات مقدسہؑ کی زندگیوں سے آگاہی حاصل کریں اور ان کے کردار سے خود کو مزین کریں۔

زیر نظر کتاب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک مختصر اور مفید خاکہ ہے۔ امید ہے کہ اہل ایمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت کو روشن و تابناک بنالیں گے۔

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

" اہلبیت " ایک تابناک عنوان دائمی فضیلت اور ہر رسول اللہ (ص) کو دوست رکھنے والے، ان پر ایمان لانے والے اور انکے راستے پر چلنے والے کے لئے محبوب اسم گرامی ہے۔

پیشانی تاریخ اور افق قرآن کریم پر یہ عظیم عنوان اور یہ روشن فضیلت تمام مسلمانوں کیلئے تب سے جانا پہچانا ہے جب سے وحی الٰہی نے انھیں اس اسم مبارک سے یاد کیا ہے اور جب سے دنیائے بشریت میں اس منور ستارے جیسے لقب کو صرف ان ذوات مقدسہ کے لئے مخصوص کیا ہے۔

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا " (احزاب ۳۳)

اس آیت مبارکہ کے نزول نے اسلامی زندگی کو متمرکز اور محدود کرکے اس

کے خطوط معین کئے ۔
قرآن نے افکار کو ان کی جانب موڑا اور ان کے تابان و منور منصب پر کائنات کی تمامتر روشنیاں نثار کردیں. امت اسلامیہ کی زندگی میں ان کردار کو واضح کیا اور خدائے حکیم و خبیر کے ارادۂ تطہیر نے انھیں مخصوص کیا.
قرآن مجید کی یہ عظیم جدتُ زندگانی امتً اس کی تاریخ سازی اور تہذیب کی بنیاد رکھنے کیلئے ایک مخصوص مفہوم پیش کررہی ہے جس سے صاحبان معارف و تحقیق امت اسلامی کی سیاسی زندگی کی ہدایات حاصل کرتے ہیں.
قرآن مجید کی یہ آیات رسول اللہ (ص) کی زندگی کے بعد اسلامی منطق اور عرف کی مطابق تاریخی پہلو کو معین کرتی ہیں
پروردگار عالم نے انھیں گناہوں ، غلطیوں اور برائیوں سے دوری اور تطہیر کی خلقت مبارکہ عنایت کی اور قرآن نے انھیں فضائل کے عظیم ترین درجہ پر فائز کیا اور ان میں حیات اسلامی کی قیادت و ہدایت کی کامل ترین اہلبیت کی نشاندہی کی جو ان کے فلسفہ حیات میں نمایاں ہے ،

" انّ اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم " (حجرات ۱۳)
اس خطاب کے بعد

" انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و

یطھرکم تطھیرا " (احزاب ۳۳)

اب جو شخص بھی قرآن کریم اور نبی عظیمؐ کی پاکیزہ سنت کا مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ نبی کریمؐ اہلبیتؑ کو اسلام میں خاص مقام اور امتیازی منزلت حاصل ہے، جس کا اقرار خود امت اسلامی کے بزرگوں، علماء، مفسرین، راویوں، سیرت نگاروں، مورخوں، فقیہوں اور تمام صاحبان علم نے کیا ہے چاہے وہ جس فرقے سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔

مسلمانوں کے مختلف مذاھب میں جتنی بھی حدیث، سیرت، تفسیر، ادب، شعر اور مناقب سے متعلق کتابیں لکھی گئی ہیں سب میں اھلبیت (ع) کا مخصوص منصب اور ان کی اہم منزلت نمایاں ہے اور ساری تصنیفات اس شجرۂ مبارکہ کی عظمت کا کلمہ پڑھتی نظر آتی ہیں ۔ یہ تمامتر کتابیں مومن کے ایمان کی پہچان کو نبی کریمؐ اور ان کے اھلبیتؑ کی محبت کو پیمانہ بناتی ہیں، ان تمامتر کتابوں میں امت کا اہلبیتؑ کی مدح میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا، دلوں کی گہرائیوں میں ان کی محبت کا پایا جانا اور اھلبیت نبویؐ کے دشمنوں اور ان پر مصائب و شدائد وارد کرنے والوں سے نفرت و بیزاری کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے ....

اھلبیت (ع) کی انفرادی تابش انمیں پائے جانے والے علم، تقوی، اخلاق، شرف، ثبات حق، دفاع اسلام کی وجہ ہے جو انھوں نے اپنے علم اور اپنی قوتوں سے کیا اور ... اس مقاومت اور قیام کی بنیاد پر ہے جو انھوں نے

حفاظت اسلام کی خاطر ظلم و طغیان کے مقابلے میں کیا۔۔۔ اور یہی وجہ ہے کہ سارے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اہلبیتؑ کو جو مقام و منزلت اور شرف و امتیاز اللہ نے عنایت کیا ہے وہ امت اسلامیہ میں کسی بھی دوسرے کو عنایت نہیں کیا، اور وہ تنہا ایسی ہستیاں ہیں جنھیں اللہ نے خطاؤں اور برائیوں سے پاک رہ کر سند تطہیر عنایت کی ہے:

" انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا "

اور اہلبیتؑ تنہا وہ ہستیاں ہیں جن کی محبت و مودت کو اللہ نے امت پر واجب قرار دیا اور اسے نبیؐ کا حق قرار دیا ہے:

" قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ و من یقترف احسنۃ نزد لہ فیھا حسنا " [۲] (شوریٰ ۲۳)

اور اہلبیتؑ تنہا وہ ہستیاں ہیں جن پر اللہ نے نماز پنجگانہ میں صلوات بھیجنا واجب قرار دیا ہے اور انکے ذکر کو رسول اللہ (ص) کے ذکر سے متصل قرار دیا ہے:

" ان اللّٰہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما " [۳] (احزاب ۵۶)

اور رسول اللہ نے انھیں پر صلوات بھیجنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ جب کسی نے آپ پر صلوات بھیجنے کا طریقہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

" قولوا : کہو : اللھم صلی علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و آل ابراھیم انک حمید مجید "(۴)

امت اسلامیہ میں اھلبیتؑ کے علاوہ ان صفات و کردار کی حامل کوئی ذات و شخصیت نہیں ہے۔

اور یہیں سے ہم اھلبیتؑ کے عظمت و مقام، ان کی محبت کے وجوب، ان کی اقتداء اور ان کے راستہ پر چلنے کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اھلبیتؑ کے سلسلے میں یہ تاکید، اور ان کے مقام و منزلت کا بیان صرف اور صرف رسول اللہؐ کے بعد ان کی پیروی و اقتداء۔ ان سے تمسک اور انھیں سے اسلامی قوانین اخذ کرنے کی غرض سے کیا ہے۔

اور قرآن نے ان کی یہ تعریفیں صرف اور صرف عقائد کی اصلاح اور ہدایت کی غرض سے کی ہیں جو مسلمانوں کو دعوت غور و فکر دے رہی ہیں۔ اور تقاضا کر رہی ہیں کہ انسان ان ھدایت کے روشن مناروں کی معرفت حاصل کرے کہ جنکے لئے اللہ نے منصب امامت قرار دیا اور جنھیں امت کا قائد بنایا۔

اھلبیتؑ کے اس مختصر تعارف اور رسول اللہ کی ان کے سلسلے میں ان تعریفوں کے بعد اب ہم ان کے سلسلے میں قرآن، سنت مطھرہ، ائمہ مسلمین اور ان کے علماء، ادباء کے ذریعہ اس شجرہ مبارکہ، ذریت طاہرہ اور مبارک ہستیوں کی تعریف پیش کرینگے۔

امام زین العابدین ؑ کی ذاتی شخصیت

- ولادت اور خاندان
- منصب ہدایت
- کمالات انسانی

ولادت اور خاندان

جب امت اسلامیہ اپنی زندگانی کے تابناک دور میں زندگی گزارا رہی تھی اور جس زمانے میں حضرت امام علی ابن ابیطالب علیہ الصلوۃ و السلام سفینہ اسلام کے ناخدا اور قافلہ اسلام کے رہبر تھے اسی روشن اور منور زمانے میں آپؑ نے اپنے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن کسری کی "بیٹی شاہ زنان" سے کی اور اس کی دوسری بیٹی سے اپنے شاگرد محمد بن ابی بکر کی شادی کردی۔

بعض مورخین کے نظریہ کے مطابق امیرالمومنین (ع) نے "شاہ زنان" کا نام بدل کر "شہربانو"[5] رکھ دیا تھا تاکہ یہ جناب فاطمہ بنت محمد (ص) کے لقب کی شریک نہ رہیں، کیونکہ "شاہ زنان" کے عربی میں معنی "سیدۃ النساء" ہوتے ہیں اور یہ لقب رسول اللہ (ص) نے جناب فاطمہؑ کے لئے مخصوص

فرمایا تھا اور آپ کو ان مخصوص صفات اور آپ میں پائی جانے والی امتیازی صلاحیتوں کی بنا پر آپ کو "سیدۃ نساء العالمین" قرار دیا تھا۔ اور یہ ایسا امتیازی و انفرادی لقب تھا جو کائنات میں آپ کے علاوہ کسی کو میسر نہ آیا اور اس کے لئے صرف آپ کا انتخاب ہوا۔

چنانچہ رسول اللہ (ص) نے جناب فاطمہ زہراء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

"اے بیٹی کیا تم راضی ہو کہ تم سیدہ نساء العالمین قرار پاؤ؟ آپؑ نے فرمایا، اے والد گرامی پھر مریم؟ رسولؐ نے فرمایا، وہ اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں"[۶]

بعض دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ امام علی (ع) نے جناب "شاہ زنان" کا نام "مریم"[۷] رکھ دیا تھا۔ جیسا کہ بعض تاریخی نصوص اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اگرچہ تاریخ نے اس عظیم خاتون کی سیرت کو بہت کم ہی محفوظ کیا ہے لیکن اس کے باوجود امیر المومنین (ع) کا ان کا اپنے فرزند سید شباب اہل الجنۃ امام حسین (ع) سے عقد فرمانا ہی اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اہل بیت (ع) کے نزدیک اس خاتون کا جو بلند مرتبہ تھا وہ اس کے علاوہ صرف چند ہی خواتین میں موجود تھا۔

امام حسین (ع) کے اس محترم خاتون سے ازدواج کرنے کے بعد صرف

چند ماہ ہی گزرے تھے کہ بیت رسالت اور سادات اہلبیت اطہارؑ کے خانوادے میں اس وقت خوشخبری پھیل گئی جب اس محترم خاتون نے امت کی ہدایت و رسالت کا انتظام اپنے مبارک فرزند " علی (ع) کے طور پر پیش کیا جو ۵ شعبان ۳۸ھ کو متولد ہوئے [۸]

جب یہ خوشخبری امیر المومنین علی (ع) کو ملی تو آپؑ نے بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر ادا [۹] فرمایا اور مولود کا نام " علی " رکھا۔ امام علی بن الحسین (ع) کے لئے خداوند عالم کی جانب سے مقدر تھا کہ آپ سلسلۂ اہلبیت علیہم السلام سے امت کے چوتھے امام قرار پائیں اور حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسین (ع) کے بعد آپکو یہ مبارک منصب نصیب ہو اور پھر آپ کے بعد سلسلۂ امامت آپ ہی کی اولاد مبارک میں جاری ہو۔

یہ بات ہم اپنی طرف سے گڑھ کر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ہمارا یہ کلام وحی خدا کے امین رسول اکرم محمد (ص) کے کلام کا مستفاد ہے، امام حسین بن علی (ع) سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے جد رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے مجھے اپنے زانو پر بٹھا کر مجھ سے فرمایا، " اے حسین، خدا نے تمھارے صلب سے نو ائمہ اختیار کیے ہیں اور نواں ان میں سے قائم ہوگا اور اللہ کے نزدیک فضل و منزلت میں وہ سب کے سب برابر ہیں " [۱۰]

۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ " میں، علی، حسن، حسین اور حسین سے ہونے والے نو

فرزند پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں"[۱۱]۔

امام حسین (ع) کی نسل مبارکہ کو امام علی بن الحسین کے ذریعہ خدا نے اتنی برکت دی اور یہ نسل ایسی پھولی پھلی کہ اگرچہ آپ کے ان کے علاوہ تمام فرزند واقعہ کربلا میں شہید[۱۲] ہوگئے تو اس کے بعد " روئے زمین کوئی حسینی ایسا نہیں بچا جو آپ کی نسل سے نہ ہو" چاہے ان آنے والوں میں ائمہ ہوں یا غیرائمہ۔

اس مولود مبارک نے مدرسہ رسالت میں آنکھیں کھولیں، آغوش امامت میں پرورش پائی اور حجرہ ھدایت میں پروان چڑھے۔ یہاںتک کہ آپ عین اسلام بنکر ابھرے اور اسلام کو نئی زندگی عنایت کی۔ آپ اسلامی فکر کے مطابق راہ پر گامزن ہوئے جس کا اسلام نے حکم دیا اور اس سے باز رہے جس سے اسلام نے باز رکھا۔ جیسا کہ آپ کی شخصیت سے واضح ہے ــــ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ جب تک آپ کے جد علی بن ابیطالب زندہ رہے آپ انسے اور پھر ان کے بعد اپنے چچا امام حسن اور پھر اپنے والد گرامی امام حسین سے کسب ہدایت کرتے رہے، اور ان کے زیر سایہ حق سے متمسک رہ کر انھیں کے دامان عاطفت میں روحی و فکری تربیت حاصل کرتے رہے.

تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت کے چند دنوں بعد ہی ندائے الہی کو لبیک کہی اور اس دنیا سے کوچ کر گئیں اور انھوں

نے آپ کے علاوہ اپنی کوئی دوسری نشانی دنیا میں نہ چھوڑی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پروردگار کی طرف سے صرف آپؑ کی ولادت کے لئے ہی مہیا کی گئیں تھیں اور اس فریضہ کی انجام دہی کے بعد وہ اپنے رب اعلیٰ سے جاملیں۔

منصب ہدایت

ہر غور و فکر کرنے والے پر یہ بات بالکل واضح ہے کہ امام حسینؑ کے بعد امام علی بن الحسینؑ کو منصب امامت اسلئے نہیں ملا کہ آپ اپنے والد کے تنہا وارث اور امام حسینؑ کے تمام فرزندوں میں اکیلے بچے تھے بلکہ آپکو امت اسلامیہ کی امامت رسول اللہ کی ان تعلیمات کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی جو رسولؐ نے اس ذیل میں ارشاد فرمائی تھیں۔

اسلامی قیادت، جسے امت کا امام کہا جاتا ہے، حکمتوں اور ان صفات و اہلیتوں کی بنا پر اپؑ کو حاصل ہوئی جو آپؑ کے زمانے میں تنہا آپ ہی میں موجود تھیں۔

منصب ہدایت، صرف اور صرف رسول اسلام اور پہلے والے ائمہ ابرارؑ کی زبان سے کی جانے والی تصریحات، انتخاب اور فکری ارتکاز کی بنیاد پر ہی حاصل ہوتا ہے جو وہ بعد والے امام کے لئے کر دیتے ہیں۔ انمیں سے کچھ یہ ہیں:

ا ۔۔۔ احمد نے مسروق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "ہم اس وقت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے اور وہ تلاوت قرآن کر رہے تھے، کہ ایک شخص نے ان سے کہا: اے عبداللہ کیا تم نے رسول اللہؐ سے پوچھا

ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہونگے؟ عبداللہ نے کہا، جب سے میں عراق آیا ہوں تم سے پہلے مجھ سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا، ہاں۔ ہم نے رسول اللہؐ سے یہ سوال کیا تھا، پس آپؐ نے فرمایا، بارہ ہوں گے جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے"۔

۲ــــ جابر بن یزید جعفی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، میں نے جابر بن عبداللہ انصاری کو کہتے سنا ہے کہ " جب اللہ نے اپنے نبی محمدؐ پر یہ آیت نازل کی :

یا ایها الذین آمنوا اطیعواللّٰه و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم "

تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لیا مگر یہ اولو الامر کون ہیں جنکی اطاعت کو اللہ نے آپ کی اطاعت قرار دیا ہے؟ رسول نے فرمایا، وہ میرے خلفاء ہیں اے جابر، اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں جن میں سب سے پہلے علی بن ابیطالبؑ ہیں پھر حسنؑ و حسینؑ اور پھر علی بن الحسینؑ [۱۵] ..." الخ

۳ــــ ایک مفصل حدیث میں جس کا ہم ضرورت والا حصہ پیش کر رہے ہیں، جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں، اے رسول اللہؐ، علی بن ابیطالب (ع) کی اولاد میں ائمہ کون لوگ ہونگے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا، " جوانان جنت کے سردار حسنؑ اور حسینؑ اور پھر ان کے بعد اپنے

زمانے کے عبادت گزاروں کے سردار علی بن الحسینؑ اور پھر باقرؑ [۱۶] ۔الخ.

۴ ـــ عبداللہ جعفر طیار سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو کہتے سنا ہے کہ "میں مومنین پر ان کے نفوس سے اولی اور برتر ہوں اور میرے بعد میرا بھائی علی مومنین کے نفوس پر ان سے برتر ہے اور ان کی شہادت کے بعد میرا بیٹا حسن مومنین کے نفوس پر ان سے اولی بالتصرف اور اس کے بعد میرا بیٹا حسین مومنین کے نفوس پر اولی ہے اور ان کی شہادت کے بعد ان کا فرزند علی مومنین کے نفوس ان سے اولی ہے [۱۷] الخ"

۵ ـــ جب امیرالمومنین علی(ع) کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے سبط اکبر امام حسنؑ سے یوں وصیت فرمائی "۔ اے بیٹا رسول اللہؐ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمھیں وصیت کردوں اور تم کو اپنے صحیفے اور اسلحے دیدوں بالکل اسی طرح جیسے رسول اکرمؐ نے صحف اور اسلحے مجھے عنایت کئے تھے اور مجھے یہ حکم دیا کہ تمھیں یہ حکم دوں کہ جب تمھاری موت کا وقت قریب آئے تو تم اسے اپنے بھائی حسینؑ کے حوالے کردینا۔ اور پھر حسینؑ کو نزدیک بلایا اور فرمایا، (اے حسینؑ) رسول اللہؐ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اپنے وقت شہادت ان امانتوں کو اپنے اس فرزند کو دیدینا اور پھر علی بن الحسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، رسول اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ اسے محمدؑ بن علی کو دیدینا اور ان سے میرا اور رسول اللہؐ کا سلام کہہ دینا" [۱۸]۔

۶ ــ کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں " جب امام حسینؑ نے عراق کا سفر اختیار کیا تو ام سلمہ کے پاس صحیفے اور وصیتیں امانت رکھوادیں اور جب علی بن الحسین (ع) واپس آئے تو ام سلمہ نے ان امانتوں کو انکے حوالے کر دیا[۱۹]۔

یہ چند وہ روایتیں ہیں جو تاریخ کے گزرنے کے باوجود امت اسلامیہ میں علی بن الحسینؑ کی امامت ، ان کی فکری مرجعیت اور اجتماعی قیادت پر امام حسین کے بعد دلالت کرتی ہیں جو ان کے علاوہ اس زمانے میں کسی کو بھی حاصل نہ تھی۔

کمالات انسانی

امام علیؑ بن الحسینؑ نے جو اسلامی تربیت حاصل کی اور جو ہدایت کے سرچشمے آپ کی ذات تک منتقل ہوئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا ہر گوشہ حیات اور آپ کی زندگانی کا گزرنے والا ہر لمحہ فکری عملی اور دقت نظری وغیرہ کے لحاظ سے اور ہدایت الہیہ کی جیتی جاگتی تصویر بن گیا اور آپ زندہ اسلام کی شکل میں ابھر کر منظر عام پر نمودار ہوئے۔ جس کا اعتراف علماء و مفکرین اسلام نے نہایت ہی وضاحت و صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ اور آپؑ کا علم و فضل اور تقوی کا ذکر نہایت درجہ اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ چنانچہ زہری سے نقل ہے کہ وہ کہتا ہیکہ "میں نے اہلبیت نبی میں علی بن الحسینؑ سے افضل کسی کو نہیں پایا"[20]

سعید بن مسیبؒ قریش کے ایک جوان سے جو امامؑ کے بارے میں پوچھ رہا تھا، کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیتا ہے "یہ عبادت گزاروں کے سردار علیؑ بن الحسین بن علیؑ بن ابیطالب ہیں"[21]

ابن حجر اپنی کتاب صواعق محرقہ میں کہتاہے "زین العابدین، علم، زہد،

اور عبادت میں اپنے والد کے جانشین تھے "(۴۲)

ابو حازم اور سفیان بن عیینہ سے نقل ہے کہ دونوں کہا کرتے تھے " ہم نے کوئی بھی ہاشمی علی بن الحسینؑ سے افضل اور فقیہ تر دیکھا ہی نہیں "(۴۳)

امام مالک کہتے ہیں " آپؑ کا نام کثرت عبادت کی بنا پر زین العابدین ہوگیا "(۴۴)

امام علی بن الحسینؑ کی شخصیت و منزلت کے سلسلے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے یقیناً درست اور حق ہے کیونکہ آپ کی عظیم علمی و عملی شخصیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر انصاف پسند آپ کے بارے میں یہی یا اس سے بھی زیادہ کہیے جتنا کہ کہا گیا ہے۔

اب ہم اس مختصر رسالے کی گنجائش کے اعتبار سے امام سجادؑ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختصراً روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ روحانی پہلو :

خاندان رسالت کے ذریعہ امام زین العابدین (ع) کو جو خصوصی امتیازات و صفات حاصل ہوئیں ان کی بنیاد پر امام کی شخصیت میں وہ کمالات روحانی جاگزین ہوئے جو پوری کائنات میں رسول اللہ (ص) اور امام معصوم (ع) کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوئے اسی سبب سے امام زین العابدین (ع) کی عبادتیں ، خدائے تعالیٰ سے آپکا تقرب و تمسک عظیم مرتبہ کو

پہونچا ہوا تھا اور جس کی حدیں اس بلندی تک پہونچیں کہ رب حقیقی سے آپ کے گہرے تعلق نے آپکو اس عظیم لقب کا مستحق بنادیا جو آپ کے علاوہ کسی میں نہ دیکھا گیا اور نہ ہی کوئی دوسرا اس لقب سے مشہور ہو سکا جس سے آپ کی شہرت ہوئی اور آپکو " زین العابدین ، سجاد ، کثرت عبادت سے گھٹے پڑ جانے والے " جیسے القاب سے یاد کیا گیا ۔

امام زین العابدین (ع) کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ " زین العابدین " کے لقب سے آپ کی شہرت کا سبب سرکار دو عالم (ص) کی نورانی حدیث ہے جسے زھری نے سعید بن مسیب اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ فرماتے ہیں ، " جب روز قیامت برپا ہوگا تو ہم میں آواز دی جائیگی ، زین العابدین کہاں ہیں ؟ تو گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا فرزند علی بن الحسین صفوں کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھ رہا ہے " (۲۵)

اور آپ کی لقب " سجاد " کے سلسلے میں امام باقر (ع) کا بیان ہے کہ آپ فرماتے ہیں ، " انھوں نے (امام زین العابدینؑ) اللہ کی کسی بھی نعمت کا ذکر سجدہ کئے بغیر نہیں کیا ، ایک آیت بھی جس میں سجدہ کا ذکر ہوا سے سجدہ کئے بغیر نہیں پڑھا کسی نماز واجب سے بھی سجدہ کئے بغیر فارغ نہیں ہوئے ، کبھی بھی دو لوگوں میں سجدہ کئے بغیر مصالحت نہیں کرائی اور آپ کے تمام اعضاء سجدہ پر سجدوں کے سبب نشانات پڑگئے تھے جس کی وجہ سے آپ کو سجاد کہا گیا " (۲۶)

اور لقب " ذی الثفنات " کا سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح اونٹ کے بیٹھنے کی جگہوں پر گھٹے پڑ جاتے ہیں اسی طرح آپ کے اعضاءِ سجدہ پر گھٹے پڑ گئے تھے اور آپ کے گھٹنے وغیرہ بالکل سخت ہوگئے تھے۔

جب بھی آپ وضو کرتے خوف الہی سے آپکا رنگ زرد ہوجاتا تھا، اور جب وضو سے فارغ ہوتے اور نماز کے لئے آمادہ ہوتے یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو خوف و خشیت الہی کے سبب آپ کے جسم نازنین میں رعشہ پیدا ہوجاتا، اور جب آپ نماز شروع کرتے تو آپ کے چہرہ کا رنگ مختلف ہوجایا کرتا تھا۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں " امام علی بن الحسین (ع) کا نماز میں قیام اس انداز سے ہوتا تھا جیسے ایک کمترین بندہ کسی عظیم بادشاہ کی بارگاہ میں حاضری دے رہا ہو،

خوف خداوندی سے اعضاء بدن کا نپتے تھے اور آپ اس انداز میں نماز ادا کرتے تھے جیسے دنیا سے رخصت ہونے والے ہوں اور یہ زندگی کی آخری نماز ہو"

طاووس یمانی کہتے ہیں "میں نے علی بن الحسین کو وقت عشاء سے سحر تک طواف خانہ خدا کرتے اور عبادتیں انجام دیتے ہوئے دیکھا اور جب آپ تنہا ہوئے تو آسمان کی جانب رخ کرکے فرمایا:

" بار الہا آسمان کے ستارے ڈوب گئے ، آنکھیں نیند میں سوگئیں ، اور

تیرے دروازے سوال کرنے والوں کے لئے کھلے ہیں ۔ میں تیری بارگاہ میں تیری مغفرت ، تیرا رحم طلب کرنے کے لئے حاضر ہوں اور چاہتا ہوں کہ قیامت کے روز مجھے میرے جد محمد (ص) کی زیارت سے شرفیاب فرمانا " پھر آپ نے گریہ کیا اور فرمایا ، "تیری عزت و جلال کی قسم میرے گناہوں سے مرا قصد تیری مخالفت نہیں ہے اور میری معصیتیں تیرے شکوے کی بنیاد پر نہیں ہوئی ہیں اور میں تیرے عذاب سے جاہل بھی نہیں ہوں اور مجھے تیرے عذاب پر اعتراض بھی نہیں ۔ لیکن مجھے میرے نفس نے گمراہ کیا اور اسپر تیرے لطیف و وسیع ستر و پوشیدگی نے اسے بڑھاوا دیا۔ اب مجھے تیرے عذاب سے کون بچا سکتا ہے ؟ اور اگر تیرا وسیلہ ٹوٹ جائے تو مجھے کون وسیلہ فراہم کر سکتا ہے ؟ ہائے بدبختی ! کل تیری بارگاہ میں روک لئے جانے پر ، جب کل بے گناہ سبکدوشوں کو چھوڑنے اور گناہگار وزن والوں کو روکنے کے لئے کہا جائیگا ۔ کیا میں سبکدوشوں میں چھوڑ دیا جاؤنگا ؟ یا میں گناہ کا وزن اٹھانے والوں کے ساتھ روک لیا جاؤنگا ؟

وائے ہے میری طول عمر پر کہ میری خطائیں بڑھتی رہیں اور میں توبہ نہ کروں ۔ اب مجھے اپنے پروردگار سے حیا آتی ہے ۔ پھر اُپنے گریہ کیا اور یہ شعر پڑھے ، اے میری امیدوں کی انتہاء کیا تو مجھے آتش جہنم میں جلا دیگا ، تو میری ان آرزوں اور محبتوں کا کیا ہوگا ؟

میں تیری بارگاہ میں اپنے بدترین پست اعمال کے ساتھ حاضر ہوں کہ

ساری مخلوقات کی خطاؤں کے برابر میری خطائیں ہیں۔ اے پاک و پاکیزہ ذات! تیری معصیتیں اس طرح ہوتی ہیں جیسے تو دیکھ ہی نہیں رہا ہے اور تجھ سے ایسے غافل ہیں جیسے تو عذاب ہی نہ کریگا، تو اپنے حسن سلوک کے ذریعہ اپنی مخلوقات کا ایسا رفیق ہے جیسے تجھے ان کی احتیاج ہے حالانکہ اے سید و سردار تو ان سب سے مستغنی و بالاتر ہے"۔

پھر طاوس نے امام سے کہا، اے فرزند رسول اللہؐ یہ گریہ و زاری کیسی ہے ہم کو ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس طرح روئیں اور ہم گنہگار و خطاکار ہیں کہ آپ کے والد گرامی حسین بن علی، آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ زہرا (س) اور آپ کے جد رسول اللہؐ ہیں؟

یہ سن کر امامؑ طاوس کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے "وائے ہو، وائے ہوائے طاوس کہ تم مجھ سے میرے والد، والدہ اور جد کی باتیں کررہے ہو مت کرو یہ باتیں کیونکہ اللہ نے جنت اس شخص کے لئے خلق کی ہے جس نے اطاعت کی اور جس نے نیکی کی چاہے وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور جہنم اس نے گناہکاروں کے لئے بنایا ہے چاہے وہ سردار قرشی ہی کیوں نہ ہو کیا تم نے خدائے تعالی کا یہ قول نہیں سنا،

" فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ و لا یتساءلون " ؟

خدا کی قسم کل قیامت میں صرف اور صرف وہی اعمال صالحہ کام آئیں

گے جو انسان وہاں لیکر حاضر ہوگا اور بس۔!"(۲۷)
امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں " میرے والد علی بن الحسین نے راہ خدا میں دو مرتبہ اپنا سارا مال و متاع تقسیم کردیا تھا"(۲۸)
اور امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، " علی بن الحسین عبادتوں میں سخت کوشش کیا کرتے تھے، دنوں میں روزہ رکھتے اور راتوں میں نمازیں پڑھتے تھے، یہانتک اس کا ضرر آپ کے جسم پر نمودار ہوگیا تو میں نے ان سے عرض کیا اے والد ماجد یہ مشقتیں کب تک؟ تو آپ نے فرمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ میں پروردگار کی بارگاہ میں دیر تک کھڑا رہوں"(۲۹)
علاوہ جب ہم آپ کی دعاؤں کی جانب نظر کرتے ہیں تو ان میں ہمیں آپ کی ذات نہایت درجہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ۔ نظر آتی ہے کہ جس کی تعریف سے انسانی عقل قاصر ہے۔ ایک مقام پر آپ پروردگار سے اس طرح گڑگڑاتے ہوئے مناجات کرتے ہیں، " بار الہا، اگر تیرے ذکر کرنے کا حکم مجھ پر واجب نہ ہوتا تو یقینا تو میرے ذکر کرنے سے منزہ ہے (میں تیرا ذکر کرہی نہ سکتا تھا) کیونکہ میں جو ذکر کرتا ہوں وہ میرے امکان بھر ہے، تیری شان کے مطابق نہیں ہے۔ اور تیرے ذکر کے ذریعہ میرا مقام اتنا بلند ہوگیا کہ وہ تیری تقدیس کی جگہ قرار پاگیا۔ علاوہ یہ تیری عظیم نعمتوں میں سے ہے کہ میری زبان پر تیرا ذکر ہے اور میں تجھے پکار رہا ہوں بعد تیری پاکیزگی اور تسبیح کا ذکر کر رہاہوں۔ بار الہا مجھے اپنا ذکر خلوت و جلوت، شب و روز، ظاہر و باطن، خوشی و غمی ہر حال میں کرنے کی توفیق الہام فرما۔ اور ہمیں پوشیدہ اور خاموشی کے ذکر

سے مانوس کر ،اور ہمیں خالص عمل اور پسندیدہ کوشش میں مشغول فرما اور میزان کی منزل سے سلامتی سے گزار دے ۔"(۳۰)

آپ کی اس دعا کے یہ مقدس کلمات بلکہ تمام وہ دعائیں جو آپ نے خداوند تعالی کی بارگاہ میں مانگی ہیں ان میں ساری تعبیریں ایسی ہیں جن میں ایسی روح ہے جو ہر طرح اپنے مالک سے متعلق و منسلک ہے ۔

اور ایک ایسا نفس ظاہر ہے جو محبت و تقرب الٰہی میں پوری طرح سے جذب ہے اور یہی سبب ہے کہ آپ کے " صحیفے " نے ابدی زندگی حاصل کرلی جس میں دنوں تک کی دعائیں موجود ہیں اور جو پیشانی کائنات کی روشنی بن گیا ہے ۔ جس سے صاحبان تقوی قوت یقین حاصل کرتے ہیں اور دیگر صاحبان ایمان آخرت تک پہونچنے والے اس طویل راستے کے لئے زاد سفر فراہم کرتے ہیں ۔

۲_ اخلاقی پہلو :

امام زین العابدین ؑ کے اخلاقی پہلو سے یہاں ہماری مراد آپ کی اجتماعی زندگی کا طور و طریقہ اور عوام الناس کے ساتھ آپ کے رکھ رکھاو کو بیان کرنا ہے کیونکہ امام زین العابدین ؑ بھی دوسرے تمام معصومین کی طرح ہی تھے اور وہ سب کے سب لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور افکار میں ایک ہی روش پر تھے اگرچہ ہر امام دوسرے کے مقابلے میں مصداق کے اعتبار سے مختلف تھا ۔ اور

یہ اس چیلنج کا طبعی نتیجہ تھا جس سے رسالت الہیہ دوچار تھی یا ماحول اور اجتماعی مشکلات کے فرق کی بنا پر ویسا ہونا فطری تھا اور حالات، افکار اور سیاسی تقاضوں کا نتیجہ تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم جو بعض جگہوں پر ائمہ کے افکار و اقدام میں تفاوت دیکھتے ہیں اسکا تنہا سبب، حالات و واقعات کے تقاضوں میں اختلاف تھا نہ یہ کہ ان کے خط اور راستوں میں کوئی فرق تھا۔

یہاں پر ہم امام زین العابدینؑ کے بعض اخلاقی پہلوؤں کی مثالیں پیش کر رہے ہیں جس سے امام کے عظیم اقدامات کے ساتھ ساتھ آپؑ کے عوام الناس کے ساتھ حد درجہ بہترین برتاؤ کے نمونے بھی شامل ہو جائیں گے جو اخلاق خدا کے عین مطابق ہیں:-

امت کے سلسلے میں اہتمام:

امام زین العابدین علیہ السلام کے امت کے سلسلے میں اہتمام کے بارے میں آپ کی سیرت معطرہ کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

ابن اسحاق لکھتے ہیں: "مدینہ میں کچھ غریب گھرانے تھے جن کے یہاں امامؑ انکا رزق اور انکی ضرورت کی اشیاء پہونچایا کرتے تھے لیکن ان لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کہاں سے آتا ہے۔ لیکن جب علیؑ بن الحسینؑ کا انتقال ہوگیا تو وہ تمام مدد و کمک بند ہوگئی"(۳۱)

امام ابی جعفر محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "وہ (امام زین العابدینؑ)

تاریک راتوں میں پشت پر بورا لاد کر نکلتے اور دروازوں پر پہو نچکر کھٹکھٹا اور جو نکلتا اسے دیدیتے اور آپکی حالت یہ ہوتی تھی کہ آپ اپنے چہرے کو ڈھانپے رہتے تھے تا کہ جس وقت فقیر کو کچھ دیں تو وہ آپ کو پہچان نہ سکے اور وہ شرمندگی کا احساس نہ کرے" (۴۲)

عمرو بن ثابت سے مروی ہے کہ: "جب علیؑ بن الحسینؑ کا انتقال ہوا اور انھیں غسل دیا جانے لگا تو لوگوں نے آپ کی پشت پر سیاہ نشانات دیکھے تو پوچھا یہ نشانات کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ آپ راتوں میں پشت پر غذا کا گٹھر لاد کر مدینے کے فقراء میں تقسیم کیا کرتے تھے (یہ نشانات انہیں کے ہیں) (۴۳)

عمرو بن دینار سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں: "جب زید بن اسامہ بن زید کی موت کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ امام علی بن الحسینؑ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ زید نے جواب دیا کہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھ پر پانچ ہزار دینار باقی ہیں اور میں اتنا چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں جس سے میرا وہ قرض ادا ہوسکے۔ تو عمرو کہتے ہیں کہ امام (ع) نے فرمایا: تم مت روؤ بس تمھارا وہ قرض مجھ پر ہے اور میں اسے ادا کرونگا اور تم اس سے بری ہو۔ پھر آپ نے اسے ادا فرمایا" (۴۴)

جب امام (ع) کی خدمت میں کوئی سائل آتا تو آپ اس سے کہتے، "خوش آمدید اے وہ کہ جو آخرت تک میرا توشہ سفر لیکر پہونچا ئیگا" (۴۵)

امام زین العابدین علیہ السلام امت کے پست طبقہ کے سلسلے میں

خصوصی اہتمام برتتے تھے اور آپ نے سیکڑوں غلاموں کو ان کے مالکوں سے آزاد کرایا تھا۔ آپ ہر سال اور خصوصاً عید فطر و عید الاضحیٰ کے موقع پر غلاموں کی بڑی تعداد آزاد کرنے کے لئے خریدا کرتے تھے۔ اور آپ ان کا سودا برابر برابر کا کرتے تاکہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ اٹھانا پڑے (نقصان نہ برداشت کرنا پڑے) آپ کبھی کسی کو اذیت نہ دیتے۔ آپ کی اسی صفت کی بنا پر آپ کو کچھ لوگ محرر العبید [۳۶] (غلاموں کو آزاد کرنے والے) کہتے تھے۔

حلم و تواضع :

آپ کے اخلاق کریمانہ کا یہ دوسرا رخ ہے۔ آپ کو کسی شخص نے برا بھلا کہا، آپ کے غلاموں نے اسے پکڑ لیا تو آپ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو" پھر اس شخص سے کہا: "کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے" یہ سن کر وہ شخص شرمندہ ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے اسے کچھ کپڑے اور ایک ہزار درہم دیے۔ جس کو لیکر وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا "اشہد انک ابن رسول اللہ (ص)" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزند رسول اللہ ہیں [۳۷]

ایک مرتبہ امام (ع) کو ایک شخص نے گالی دی تو اسے سن کر آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے آپ سے کہا: میں تم سے ہی کہہ رہا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: میں تجھ سے چشم پوشی کر رہا ہوں۔ آپ کی کنیز آپ کے ہاتھوں پر پانی

ڈال رہی تھی کہ برتن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آپ نے اسکی طرف سر اٹھاکر دیکھا تو ،کنیز نے کہا " **والکاظمین الغیظ** " غصہ کو پی جانے والے ، آپؑ نے فرمایا ،میں نے غصہ کو پی لیا۔ کنیز کہا " **والعافین عن الناس** " لوگوں کو معاف کردینے والے ، آپؑ نے فرمایا ،خدا تجھے معاف کرے ،کنیز نے کہا ، " **واللّٰہ یحب المحسنین** " آپ نے فرمایا ، جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا۔ [۳۸] امام (ع) کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو آپ کی غیبت کررہے تھے ، پس آپ ان کے پاس ٹھہرے اور فرمایا ، " اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر تم لوگ اپنے قول میں جھوٹے ہو تو خدا لوگوں کو معاف کرے "۔

امام زین العابدینؑ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو گالی دی آپ خاموش رہے۔ جب وہ شخص چلاگیا تو آپ نے اپنے ہمنشینوں سے کہا ، تم لوگوں نے سنا جو اس شخص نے کہا " اب میں چاہتاہوں کہ تم سب میرے ساتھ چلو اور میرا جواب بھی سن لو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم ایسا ہی کرینگے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اور ہم سب بھی اسے برا بھلا کہیں۔ پس آپ یہ کہتے ہوئے چلے " **والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰہ یحب المحسنین** " اور جب اس کے گھر پہونچے تو اس کو آواز دی۔ وہ گھر سے شرانگیز حالت میں اچھلتا ہوا نکلا کیونکہ اسے یہ یقین تھاکہ اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا یہ لوگ بدلہ لینے آئے ہیں۔ امام علیؑ بن الحسینؑ نے اس سے فرمایا ، "

اے بھائی ابھی کچھ دیر پہلے جو تو نے میرے پاس رک کر مجھے برا بھلا کہا تھا، تو اگر وہ باتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں تو میں اس کے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اور اگر مجھ میں وہ باتیں نہیں تھیں تو میں اللہ سے تیری مغفرت کا طلبگار ہوں" یہ سنکر اس شخص نے آپ کی آنکھوں کے درمیانی حصہ (پیشانی) کا بوسہ لیا اور کہا میں نے جو کچھ کہا وہ آپ میں نہیں ہے بلکہ اسکا میں خود ہی زیادہ مستحق ہوں" (۳۹)

امام علی بن الحسین (ع) کے کمال انسانیت کے نمونوں میں یہ واقعہ بھی ہے کہ، آپ کے ایک چچا زاد بھائی تھے۔ امامؑ راتوں میں ان کے پاس اجنبی کے طور پر آتے اور انھیں کچھ دینار دے جاتے۔ تو وہ امامؑ سے کہتے کہ تم تو دیتے ہو لیکن علیؑ بن الحسینؑ مجھے کچھ نہیں دیتے اللہ انھیں جزاء خیر نہ دے، امام ان کی یہ باتیں سنکر صبر و تحمل سے کام لیتے اور اپنے آپ کو نہ پہچنواتے۔ یہانتک کہ جب امام کا شہید ہوئے تو وہ ہمیشہ والی مدد بند ہوگئی، تب اس شخص کو علم ہوا کہ وہ آنے والا شخص، امام علیؑ بن الحسینؑ ہی تھے۔ پس وہ شخص آپ کی قبر پر روتا ہو آیا ...... ان کے علاوہ آپ کے بہت سے عظیم اقدامات اور بھی ہیں جن کے ذکر کی گنجائش اس جگہ پر نہیں ہے۔ (۴۰)

طبری سے روایت ہیکہ ہشام بن اسماعیل مدینہ کا امیر و حاکم بنا تو اس نے لوگوں پر ظلم و ستم کیا اور رعایہ کو ڈرانے دھمکانے لگا امام علی بن الحسین (ع) اور آپؑ کے اہلبیتؑ نے بھی اس کے بہت سے مظالم برداشت کئے۔ پھر ولید بن عبدالملک نے اسے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ اسے عوام کے سامنے

کھڑا کرکے کوڑا لگایا جائے۔ اسی وقت علی بن الحسینؑ اس طرف سے گزرے جب وہ مروان کے گھر کے سامنے کھڑا تھا، اور آپؑ نے اسے سلام کیا اور اپنے چاہنے والوں کو حکم دیا کہ اس سے برا برتاؤ نہ کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوئے (اور فرمایا) "میں جانتا ہوں کہ تو اس مال کے سلسلے میں عاجز ہے جو تجھ سے لیا جائیگا، پس ہمارے اور ہمارے چاہنے والوں کے پاس اتنا مال ہے جو تیری ضرورت پوری کر سکے، لہذا تو ہماری طرف سے مطمئن ہوجا۔ (یہ سنکر) ہشام چیخا، اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" [۴۱]

"قیام حرۃ" میں بنو امیہ نے شکست کے سبب پشت دکھائی اور انقلابیوں کے خوف سے راہ فرار اختیار کی، اور فراریوں میں سب سے آگے مروان بن حکم تھا۔ فرار کرتے وقت اس نے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے مدد طلب کی کہ وہ اس کے عیال خصوصا اس کی زوجہ عائشہ بنت عثمان کی دیکھ بھال کرے۔ ابن عمر نے اس سے انکار کردیا۔ تب اس نے امام سجاد (ع) سے مدد طلب کی۔ امامؑ مدد طلب کرنے والے کو ٹھکرا نہ سکتے تھے لہذا اس کے اہل و عیال کو آپ نے اپنے عیال میں شامل کیا اور اس طرح بنوامیہ کے بدترین تاریخی مظالم کا اس عظیم احسان سے بدلہ چکایا۔ [۴۲] ۔ یہ وہ بعض شواہد ہیں کہ جن سے آپؑ نے حقیقی الہی راستے کی مثالیں پیش کی ہیں۔

۳۔ فکری پہلو :

اس سے قبل کی گفتگو میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ رہبر اسلام مرسل اعظمؐ اور ائمہ ھداۃ اہلبیتؑ اپنی تکوین اور شخصیات کے اعتبار سے امت اسلامیہ میں اعلی مراتب پر فائز تھے اور مخصوص پیغمبری صفات سے آراستہ ہونے کے سبب سے اسلام کے عظیم درجوں پر فائز تھے۔ اور اسی سبب سے امام سجاد (ع) اور تمام ائمہ معصومینؑ میں نہایت درجہ عقلی بلندیاں موجود تھیں۔

اور یہ سب کے سب اپنی پوری زندگی میں اس منزلت پر فائز تھے جو انبیاء کے علاوہ کائنات کے کسی فرد بشر کو حاصل نہیں تھی اور اسکا سبب ان کی طبیعت و فطرت میں موجود الہی تعلق تھا جو تمام ائمہؑ میں یکسر پایا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے یہ علم یا تو رسول اسلامؐ سے حاصل کیا تھا جیسا کہ امام علی بن ابیطالبؑ کی زندگی میں ظاہر ہے یا انھیں بالواسطہ پہلے والے امام سے یہ سرمایہ حاصل ہوا تھا جنھوں نے بعد والے امام کی روحانی، فکری رفتار و کردار کی تربیت کی تھی ۔ اور عوام الناس کی زندگی میں پیش آنے والے جدید مسائل کا حل وہ اپنی باطنی بلندی اور صفائے روحانی کی بنا پر حاصل ہونے والے معرفت الہی کے ملکہ یعنی علم حضوری سے حل کیا کرتے تھے ،کیونکہ اس سلسلے میں ان کی " علمی ذکاوت الہام الہی " کا راستہ و رابطہ تھی اور یہ بھی اس حد تک ظاہر و واضح تھی کہ ائمہ معصومینؑ کی حیات طیبہ میں غور کرنے والا

اسے بہ آسانی محسوس کر سکتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ان کی حیات طیبہ میں کبھی بھی ایسا کوئی مرحلہ پیش نہیں آیا جہاں کوئی بات بتانے میں انھیں مشکل در پیش ہوئی ہو یا انھوں نے کبھی بھی کسی سوال و استفسار کے جواب میں معذرت یا عذر خواہی کی ہو چاہے وہ مسئلہ فکری ہو یا علمی و شرعی یا زندگی کے کسی دوسرے شعبے سے تعلق رکھتا ہو۔

یہاں پر ہم مقدور بھر امام سجادؑ کی فکری جلوہ افزائیوں کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں،

امام سجاد علیہ السلام انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی اور اس کی تاریخ میں پیش آنے والے گناہوں اور ان کے بدترین اثرات کی اس طرح تعیین فرماتے ہیں۔

ابو خالد کابلی کہتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدینؑ کو کہتے ہوئے سنا۔

وہ گناہ جو نعمتوں کو پلٹا دیتے ہیں :

لوگوں کے حقوق پر تجاوز ،کار خیر اور نیکی کی عادت کا ختم ہو جانا کفران نعمت ،ترک شکر ہے اللہ تعالی فرماتا ہے۔

" ان اللّٰه لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و اما بانفسھم "

وہ گناہ جو ندامت کا باعث بنتے ہیں :

نفس محترمہ کو قتل کرنا ، اللہ تعالی ہابیل کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا اور دفن سے عاجز ہوا ،

" **فاصبح من النادمین** " ندامت اٹھانے والوں میں سے ہوگیا ۔

رشتہ داروں کی سرپرستی نہ کرنا یہانتک کہ وہ بے نیاز ہوجائیں ، نماز نہ پڑھنا یہاں تک کہ وقت نکل جائے اور وصیت نہ کرنا ، رد مظالم نہ کرنا اور زکاۃ ادا نہ کرنا یہانتک کہ موت آجائے اور زبان بند ہوجائے

وہ گناہ جن سے بلائیں نازل ہوتی ہیں :

مصیبت زدہ کی مدد کو نہ پہونچنا ، مظلوم کی معاونت نہ کرنا اور " **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** " کو انجام نہ دینا ۔

وہ گناہ جو دشمن کو مستحکم بنا دیتے ہیں :

کھلم کھلا ظلم کرنا ، علی الاعلان برائی کرنا ، حرام کام کو حلال سمجھنا نیک لوگوں کی مخالفت کرنا اور برے لوگوں کی پیروی کرنا ۔

وہ گناہ جن سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں :

بدبینی، باطنی خباثتیں، بھائیوں سے منافقت، جواب دینے میں سچ نہ بولنا، واجب نمازوں کا وقت نکل جانے تک تاخیر کرنا، نیکی اور صدقات میں قرب خدا کا خیال نہ کرنا، پست و بیہودہ الفاظ کا گفتگو میں استعمال کرنا۔ [۴۵]

اور اسی طرح سے امام زین العابدین (ع) زہد کا وہ حقیقی مفہوم جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے کو بیان فرماتے ہیں، اور اسلامی نقطہ نظر سے اسکے موانع کا تعین فرماتے ہیں جیسے ورع، یقین اور رضاء کہ آپ کے بقول زہد کے مواضع و موارد ہیں، ــ امام (ع) سے زہد کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

زہد دس چیزیں ہیں۔

پس زہد کا بلندترین درجہ ورع کا کمترین درجہ ہے، اور ورع کا بلندترین درجہ یقین کا کمترین درجہ ہے، اور یقین کا بلندترین درجہ رضا کا کمترین درجہ ہے ــ جان لو کہ قرآن کریم نے زہد اسکو کہا ہے کہ، "کچھ چلا جائے تو اسپر افسوس نہ ہو اور کچھ ملے تو اسپر خوشی نہ ہو"۔ [۴۶]

اور یہیں سے حقیقی مسلمان کے لئے راستہ کھل جاتا ہے اور اسکی شخصیت کے مختلف عناصر نکھر جاتے ہیں اور اسے ان تمام اعتراضات کے جوابات بھی حاصل ہوجاتے ہیں جو راہ خدا اور اس کی شریعت عظمی پر وارد کئے جاتے ہیں امسام علیہ السلام فرماتے ہیں: ــ "جب تم کسی شخص کو ظاہرا سیدھا سادہ دیکھو یعنی اس کے ظاہر کو سادہ پاؤ جو گفتگو میں خاموشی اختیار

کرے ، اعمال میں بظاہر خضوع و خشوع کا خیال کرے ۔ تو تم اس کے اس ظاہر سے قطعا دھوکہ نہ کھا جانا ، کیونکہ نہ جانے کتنے لوگ ایسے ہیں جو دنیا کو حاصل کرنے سے مجبور ہیں کار حرام نہیں کر سکتے ، کیونکہ انکی نیت کمزور اور ان کے دل ڈرپوک ہیں اسلئے انھوں نے اپنی کمزوری کی بنا پر دین کو اختیار کر رکھا ھے ۔ اور اپنے ظاہر سے لوگوں کو دہوکہ دیتے رہتے ہیں اگرچہ جب بھی انھیں ان برائیوں کا موقع ملے گا وہ اسپر بری طرح سے ٹوٹ پڑیں گے۔

اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ بظاہر مال حرام سے پرہیز کر رہا ہے تب بھی تم اس سے دھوکہ نہ کھانا کیونکہ نہ جانے کتنے ایسے ہیں جو حرام سے گریز کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہایت درجہ سختی کا شکار کرتے ہیں اور اس طرح کار حرام بھی انجام دیتے ہیں ۔ ۔ اور جب پرہیز و اجتناب کرتے دیکھو تو بھی دھوکہ نہ کھانا جبتک اسکی عقل کی گرہوں کا جائزہ نہ لے لینا ، کیونکہ نہ جانے کتنے ایسے ہیں جو بغیر عقل سلیم کو استعمال کئے ہوئے پرہیز و اجتناب کرتے رہتے ہیں ۔ اور اس کے نتیجے میں عقل کے سبب کی جانے والی نیکی سے زیادہ اپنی جہالت کی بنیاد پر خرابیاں پیدا کرتے ہیں ۔

اور اگر تم اُن کی عقل کو صحیح و سالم دیکھنا تب بھی اُن سے دھوکہ نہ کھانا جب تک ان کا جائزہ نہ لے لینا کہ آیا ان کی عقل ان کی خواہشات پر غالب ہے ؟ یا اس کا نفس اس کی عقل پر غالب ہے ؟ اسے باطل عہدوں اور منصبوں سے کتنی محبت ہے اور اسکا زہد کیسا ہے ۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے

ہیں جو دنیا و آخرت دونوں میں گھاٹے میں ہیں اور جنھوں نے اپنی دنیا کو دنیا کے حصول کے لئے ترک کیا ہے ، اور جن کے نزدیک باطل منصب میں ، حلال مال و نعمات سے زیادہ مزا ہے ۔ وہ تمام باتوں سے اسی باطل ریاست کو طلب کرنے کی خاطر پرہیز کرتے تھے یہاں تک کہ جب ان سے کہا جاتا ہے ؛ تقوی الٰہی اختیار کرو کہ تم نے گناہوں کے بدلے میں عزت حاصل کی ہے جس کا انجام جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے ۔ تو وہ اندھی خبط الحواسی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان کی پہلی برائی ہی انھیں خسارے کی آخری منزل تک پہونچاتی ہے ، اور وہ ایسی خواہشات کا شکار ہوجاتے ہیں جسے کسی بدبختی سے بھی حاصل نہیں کرسکتے ، پس وہ حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کرنے لگتے ہیں ، ان کو دین کے جاتے رہنے کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی اگر ان کی باطل ریاست برقرار رہے جو ان کی موت کو انکے لئے سخت کرنے والی ہے پس یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب اور لعنت نازل ہوتی ہے اور جن کے لئے شدید عذاب قرار دیا گیا ہے (۴۷)

لیکن انسان ! حقیقی انسان ، بہترین انسان وہ ہے جس نے اپنی خواہشات کو حکم الٰہی کا پابند بنا لیا اور جس کی قوتیں حکم خداوندی میں صرف ہوتی ہیں ، جو حق کی ذلت کو باطل کی عزت سے زیادہ دوست رکھتا ہے ، جو یہ جانتا ہے کہ جانفشانی سے حاصل کیا ہوا کم مال و متاع ہی اسے نعمات ابدی تک پھونچا سکتا ہے کہ جو نہ کبھی ختم ہوں گی نہ انکی کوئی انتہاء ہوگی ۔

اور جسے علم ہے کہ خواہشات کی پیروی میں آسائش سے حاصل ہونے والا کثیر

مال اسے اس عذاب تک پہونچا دیگا جو کبھی ختم اور تمام ہونے والا نہیں ہے تو ایسے انسان سے تمسک اختیار کرو اور اس کی سنتوں کی اقتداء کرو اور اپنے پروردگار سے اس کا وسیلہ دیگر طلب کرو کیونکہ ایسے انسان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی اور ایسے انسان کی طلب ناامیدی کا شکار نہیں ہوتی"

اسی طرح آپؑ آپ کی ابدی فکری میراث میں آپ کا وہ نامہ ہے جو آپؑ اپنے بعض اصحاب کو تعلیم فرمایا اور جو " رسالۃ الحقوق " کے نام سے مشہور ہے، جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان پر وارد ہونے والے حقوق و واجبات پر مشتمل بہترین دستور حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں انسان کے تمام تر حقوق اللہ اور ان نعمات کے مصرف کا ذکر ہے جو اللہ نے انسانوں کیلئے فراہم کی ہیں۔ اور جس میں شریعت الٰہی کے وہ احکام مذکور ہیں جو اللہ نے ان پر اپنے کرم کے ذریعہ عنایت فرمائے ہیں۔ اور اسی طرح اسمیں حقوق الناس کا بھی بیان ہے اور اس کی وسعت، ان کے واجبات اور ان کے طریقہ کار کا ذکر بھی موجود ہے۔

پھر رعایا اور حکام کے مابین حقوق کا تعین اور اسکے علاوہ ان تمام حقوق کا بیان ہے جو انسانی زندگی میں قربت و قربت کی بنیاد پر وارد ہوتے ہیں ہم یہاں پر اسی عظیم ابدی رسالے سے چند فقرے مثال کے طور پر نقل کر رہے ہیں جن سے امام علیہ السلام کی عظیم فکری بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"... خدائے بزرگ کا تم پر بہت بڑا حق ہے اور وہ یہ کہ تم اس کی عبادت

کرو اور کسی شئ کو بھی اس کا شریک قرار نہ دو ،اور جب تم خلوص سے ایسا کرو گے تو وہ تمھارے لئے اپنے پاس سے ایسا انتظام کریگا جو تمھاری دنیا و آخرت کے لئے کافی ہوگا اور تمھارے لئے وہ سب محفوظ کردیگا جو تم پسند کرتے ہو.

تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے ،اور وہ یہ ہے کہ تم اسے اطاعت الٰہی میں صرف کرو ، زبان کو اپنا حق ادا کرو ، سماعت کو اپنا حق ادا کرو ، نگاہ کو اپنا حق ادا کرو ، ہاتھ کو اپنا حق ادا کرو ، پیر کو اپنا حق ادا کرو ، شکم کو اپنا حق ادا کرو ، شرمگاہ کو اپنا حق ادا کرو .اور ان سب میں اللہ کی مدد کے طلبگار رہو۔

زبان کا حق

فحش کلام نہ کرکے اس کا احترام کرو ، نیک کلامی کا عادی بناؤ ، ادب کی حامل قرار دو ،اسے ضرورت اور دین و دنیا کے فائدے کے موقعوں کے علاوہ خاموش رکھو ، فضول اور برائی سے محفوظ رکھو جس میں فائدہ کم ہو اور جہاں پر اس کے تھوڑے سے چلنے سے بھی نقصان ہو ، اسے عقل کی گواہ اور دلیل قرار دو ۔ عاقل انسان اپنی عقل کے ذریعہ زبان کو حسن سیرت سے آراستہ کرتاہے ۔ اور خدائے عظیم کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے.

حاکم پر رعایا کا حق

جب تم یہ جانتے ہو کہ وہ اپنی کمزوری اور تمہاری طاقت کی بنا پر تمہاری

رعایا ہوگئے ہیں تو تم پر واجب ہے کہ عدل و انصاف کرو اور ان سے رحم دل باپ جیسا برتاؤ کرو ، ان کی نادانیاں معاف کردو، سزا میں جلدی نہ کرو اور شکر خدا کرو کہ اس نے تمھیں ولی و حاکم بنایا اور تمھیں ان پر قوت و طاقت عطا کی۔

ہمنشین کا حق:

تمھارا ساتھ اس کے لئے تحفظ ہو، اور تمھاری ہمنشینی اس کے لئے پاکیزگی ہو، باتوں میں انصاف سے کام لو، اپنی نشست میں اس کی اجازت کے بغیر نہ اٹھو، اور جو تمھارے پاس بیٹھا ہو اسے تمھاری اجازت کے بغیر اٹھنے کا حق ہو، اس کی کوتاہیوں سے درگذر کرو، اس کی نیکیوں کا تحفظ کرو اور اس سے صرف نیک باتیں سنو۔

پڑوسی کا حق:

اس کے غیبت میں اسکی محافظ رہو، اور اس کی موجودگی میں اس کا احترام کرو، اور ہر اچھے برے حال میں اس کی نصرت و مدد کرو، اس کے راز اور کمزوریوں کو نہ تلاشو اور اس کی پہچان کے لئے اس کی برائی کی جستجو نہ کرو اور اگر تم اس کی کمزوری اور برائی کو بلا جستجو اور کوشش کے، جان بھی لو تو اس کے اس راز اور عیب کے لئے محکم قلعہ اور سخت پردہ بن جاؤ۔

نماز کا حق :

تم جانتے ہو کہ نماز تمھارے لئے اللہ تک پہونچنے کا رابطہ ہے ،اور تم نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہو۔ اور جب تم یہ جانتے ہو تو بااخلاق طریقہ سے ذلیل ، پر امید ، خوفزدہ ، پر خلوص متمنی ، مسکین ، متضرع ہوکر رب عظیم کی بارگاہ حضور میں کھڑے ہو ۔ اور نماز میں سکون ، نظریں جھکاکر ، کاندھے اور شانے نیچے گراکر ، اس سے بہترین مناجات کرو ، جہنم سے گلو خلاصی کی التماس کے ساتھ جو خطاؤں سے گھرا اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے حاضر ہو۔ اور خدائے عظیم کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے۔

روزے کا حق :

تم جانتے ہو کہ روزے کو اللہ نے تمہاری زبان ، سماعت ، بصارت ، شرمگاہ ،اور شکم کے لئے جہنم سے پردہ قرار دیا ہے ،اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "روزہ جہنم کی ڈھال ہے"۔ جب تم اپنے اعضاء کو اس کے پردہ میں محفوظ کر لوگے تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ پردہ تمھارے لئے امن و تحفظ بن جائیگا۔ اور اگر تم نے اس پردے کا خیال نہ کیا تو اس کے اضطراب کا شکار ہوجاؤگے اور اس پردے کا تحفظ تم پر سے ہٹ جائیگا ، تب تمہیں خبر ہوگی کہ شہوتوں کی طرف کھینچنے والی نظر اور تقوی الہی کے حدود سے پرے کرنے والی قوت تمہیں

اس پردے میں محفوظ نہ رکھ سکے گی اور لامحالہ تم اس سے باہر آجاوگے (اور جہنم میں چلے جاؤ گے)

صدقہ کا حق،

تم جانتے ہو کہ صدقہ خدا کے پاس تمھارا ذخیرہ ہے ،اور اس کے پاس ایسی امانت ہے جس کے لئے کسی گواہ کی ضرورت نہیں تو جب تم یہ جانتے ہو تو تمھاری خفیہ امانت علانیہ امانت سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہے،

اور بہتر یہ ہے کہ اس کے اعلان کے بجائے اسے صیغہ راز میں رکھو، اور یہ امر ہر حالت میں صرف تمھارے اور تمھارے خدا کے در میان ہی رہے، اور اپنی امانت کو سماعت و بصارت کی گواہیوں پر ظاہر نہ کرو جیسے کہ تمھیں اس پر زیادہ بھروسہ ہے۔ ایسا نہ لگے کہ تمھیں اپنی امانت کے سلسلے میں اس پر بھروسہ نہیں۔ کسی پر صدقہ کا احسان نہ جتاؤ، اور اگر تم نے کسی پر احسان جتایا تو جس پر تم احسان جتاؤ گے اس سے اپنی حقارت کو محفوظ نہیں رکھ سکتے، کیونکہ وہ اس بات پر تمھارا گواہ بن جائیگا کہ تمھارے نفس کو اطمینان نہیں، اور اگر تمھارے نفس کو اطمینان ہے تو کسی پر اس کی منت نہ رکھو، اور سوائے اللہ کے کوئی قوت نہیں ہے۔

شریک کا حق:

جب وہ موجود نہ ہو تو تم اس کے لئے کافی رہو اور جب وہ حاضر رہے تو اس سے مساوات برتو، اور اس کے حکم پر اپنے حکم کو برتری مت دو، اور اس کے مشورے کے بغیر اپنی رائے قائم کرو، اس کے لئے اس کے مال کی حفاظت کرو اس کی عزت و امانت میں خیانت نہ کرو،

کیونکہ ہم تک یہ (حدیث) پہونچی ہے کہ " خدا ان دو شریکوں کا محافظ ہے جو آپس میں، ایک دوسرے سے خیانت نہیں کرتے ...." (۴۹)

امام سجادؑ کی سماجی شخصیت

- حالات و اقدامات
- امام اور اسلامی قیادت

حالات و اقدامات

تاریخ اسلام کی قیادت میں امام سجاد علیہ السلام کے کردار کے ذکر سے پہلے ضروری ہے کہ یہ بات پھر سے دہرا دی جائے کہ ائمہ اہلبیتؑ میں سے ہر امام اپنے زمانے کی امت اسلامیہ کی انفرادی، سماجی، فکری اور سیاسی قیادت کے لئے ان خطوط کا تعین کرتا ہے جن پر امت اسلامیہ کی اصلاح و فلاح بدرجہ اتم ممکن ہو، کیونکہ امام کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ امت سے لاتعلق اور ان کے اجتماعی حالات سے چشم پوشی کرلے، بلکہ وہ ہمیشہ اپنے زمانہ کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے امت کے لئے سیاسی اور غیر سیاسی طریقہ کار کا تعینؑ کرتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم ائمہ کے اقدامات میں اختلاف پاتے ہیں اور ان کی اصلاحی حکمت عملی میں فرق نظر آتا ہے کہ ہر امام اپنا مخصوص راستہ، خطوط اور طریقہ کار استعمال کرتا ہے بلکہ ایک ہی امام اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں امت اسلامیہ کے بدلتے ہوئے اجتماعی اور سیاسی حالات کے مد نظر مختلف خطوط و راستے اختیار کرتاہے۔ جیسا کہ ہمیں علی بن ابی طالب (ع) اور آپکے فرزندان حسنؑ و حسین (ع) اور ان کے بعد امام علی بن الحسینؑ کی زندگیوں میں نظر آتاہے جن کا اب ہم ذکر کرینگے۔

امام علی بن ابیطالب (ع) اپنی اصلاحی قیادت کے زمانے میں تین ادوار سے گزرے۔ آپ کا پہلا دور رسول اللہ (ص) کی زندگی میں گزرا جب آپ ایک اعلیٰ درجہ کے مطیع و فرمانبردار سپاہی کی حیثیت سے کبھی میدان جنگ میں جاتے اور کبھی پیغام رسانی کے دوسرے اہم فرائض انجام دے رہے تھے

آپ کا دوسرا دور ان خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں گزرا جو تاریخی اعتبار سے امت کے خود ساختہ قائد بن گئے تھے۔ اس زمانے میں آپ ؑ کی ساری کوشش حقیقی اسلام کے تحفظ اسلامی سیاست کی ترویج اور امت کے اجتماعی خطوط کو معین کرنے پر صرف ہو رہی تھی۔ لہذا اسی زمانے میں آپ نے قرآن کریم جمع کیا، حکام کی راھنمائی فرمائی، متجاوزین کو موعظہ فرمایا اور منحرفین کو نصیحت اور حق و حقیقت کی ہدایت فرمائی۔

لیکن جیسے ہی امت اسلامیہ کی قیادت آپ کے ہاتھوں میں آئی اب آپ کی ساری پالیسیاں یکسر تبدیل ہوگئیں اور آپ ؑ نے امت کی قیادت کا نیا راستہ ایجاد کیا اور وہ سارے انحرافات و خرافات جو حکام نے اسلام میں پیدا کر دیے تھے ان سب کو آپ نے یکسر باطل کر دیا۔ اور اسلام کے حقیقی تقاضوں کے مطابق اور امت اسلامیہ کی حقیقی اصلاح کے پیش نظر آپ نے سارے حکومتی اور اقتصادی پروگرام از خود ترتیب دیئے۔

امام علی (ع) کی طرح سبط اکبر امام حسن علیہ السلام نے بھی اپنے والد گرامی کے زمانے کی پالیسیوں کو اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے تبدیل کیا اور اس

کے زمانے کی پالیسیوں کو اپنے زمانے حالات کے اعتبار سے تبدیل کیا اور اس وقت جب آپ نے بنوامیہ کے گروہ کو مضبوط پایا اور انکے اقدامات میں تجاوز کا جائزہ لیا تو آپ نے بھی ابتدا میں اپنی پالیسی تبدیل کر دی لیکن بعد کے مراحل میں حالات کے اعتبار سے آپؑ نے اپنی پہلی روش بھی تبدیل کی (وثیقۃ الھدنہ کے بعد...)[۵۰]

یہیں سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر امام عوام اور عمومی حالات کی سازگاری کے لئے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اور اسی سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے امت اسلامی کی رفتار کو صرف اس لئے نہیں موڑا تھا کہ انہیں امت کی قیادت کے لئے جو کچھ بھی کر گزرنا پڑتا وہ انھوں نے کیا، بلکہ آپ نے موجودہ حالات میں امت مسلمہ لئے صحیح اور عمدہ ترین اسلامی و اصلاحی راستہ اختیار کیا جس کی بنیادی احکام اسلامی پر استوار تھیں۔

یہاں اس بات کا بھی اضافہ کر دیا جائے کہ جن لوگوں نے ائمہ علیہم السلام کی ان عظیم فکری صلاحیتوں کی بنا پر تعیین شدہ راستوں سے حالات و واقعات کے سبب اصلاح قبول نہ کی بلکہ ان سے انحراف کیا ان میں اکثریت نے واضح غلطی کی (اور امام کی اس عظیم فکر کو نہ سمجھ سکے) یہاں تک وہ امام حسنؑ سے بھی امام حسینؑ کی طرح جنگ کا تقاضا کرتے ہیں، اور امام حسینؑ سے اس کے برعکس صلح کا تقاضا کرتے ہیں۔

ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت میں بے شمار ایسی دلیلیں موجود ہیں جو ان باتوں کی وضاحت کرتی ہیں کہ امت اسلامیہ کی اصلاحی قیادت میں

ان کے طریقہ کار میں اختلاف کے اسباب کیا تھے ، (اور کن حالات نے ان کے اقدامات میں فرق پیدا کیا) امام حسنؑ نے بھی مکرر اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ان حالات میں معاویہ سے صلح کرنا ہی صحیح اسلامی راستہ اور طریقہ کار تھا اور اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا طریقہ کار غیر عاقلانہ تھا۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا ، "اے ابو اسعید ! معاویہ سے میری صلح کا بعینہ وہی سبب ہے جو رسول اللہؐ کا بنی ضمرہ اور بنی اشجع سے مصالحت کا سبب تھا۔ اور بعینہ وہی سبب تھا جو رسول کا اہل مکہ سے حدیبیہ سے پلٹنے کے موقع پر صلح کا سبب تھا" اور جیسا کہ آپؑ نے بشیر ہمدانی سے فرمایا ، "میرا مقصد اس صلح سے صرف یہ تھا کہ تم لوگوں کو قتل ہونے سے بچاؤں "۔ [۵۱]

اور امام حسینؑ نے اپنے فاتحانہ قیام کا تعارف بھی اپنے ذاتی اقدام سے نہیں کیا تھا بلکہ فرمایا ، "مجھے خدا مقتول دیکھنا چاہتا ہے ۔ [۵۲] " یعنی آپؑ وضاحت فرما رہے ہیں کہ میں نے انحرافات کے مقابلے میں یہ قیام جس میں میری شہادت واقع ہوئی ہے اپنے ذاتی اقدام اور اپنی شخصی فکر کی بنیاد پر نہیں کہ بلکہ یہ صرف خدا کی مرضی کے مطابق تھا جسے میں نے انجام دیا ہے۔

اور امام سجاد علی بن الحسینؑ سے جب عباد البصری نے راہ مکہ میں کہا ، آپ نے جہاد اور اس کی سختیوں کو چھوڑ دیا اور حج اور اس کی آسائشوں کے لئے جارہے ہیں جب کہ "اللہ مومنین سے ان کے نفوس اور اموال کو خرید لیتا ہے "۔ تو امامؑ نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا : آیت کا اس کے بعد کا حصہ پڑھو جس میں مؤمنین کے صفات بیان ہیں ۔ " یہ لوگ توبہ

کرنے والے، عبادت انجام دینے ولاے، حمد پروردگار کرنے والے، راہ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے، اور حدود الہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اے پیغمبرؐ آپ انھیں جنت کی بشارت دیدیں)) پھر فرمایا: "اگر ان صفات کے حامل مؤمنین ہوں تو ہم جہاد کو کسی شئے پر ترجیح نہیں دینگے۔ (۵۴)

اس جواب سے امام سجاد علیہ السلام نے اپنی سیاست، اپنا موقف اور اپنے دور کی اصلاحی روش کے اسلوب کو بالکل واضح کر دیا۔ اور ان اسباب کا بھی اظہار فرما دیا، جن کی بنا پر امام کو وہ طریقہ کار اختیار کرنا پڑا تھا۔ پس امام سجادؑ کا قیام نہ کرنا اور حکومت اموی سے جنگ نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ دنیاوی آسائشیں چاہتے تھے۔ جیسا کہ عباد البصری کے سوال سے ظاہر ہے۔ بلکہ امامؑ کا یہ اقدام صرف اسلئے تھا، کہ آپ یقینی طور پر یہ جانتے تھے کہ جنگ میں فتح کا کوئی سوال نہیں، بلکہ ان حالات میں حاکم وقت کے خلاف کوئی اقدام بھی اس کے بالکل برعکس اثرات (شرم آور شکست) پر منتج ہوتا۔ اور اسی سبب سے امامؑ نے ان حالات میں اصلاح امت کا ایک نیا طریقہ اپنایا۔ جس کے گوشوں کی طرف ہم آئندہ صفحات میں اشارہ کرینگے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

امامؑ اور اسلامی قیادت

کربلا میں اہلبیت رسالتؐ کے ساتھ بنوامیہ کی خونی ہولی کے بعد امام سجادؑ کا بچ رہنا عظیم الٰہی حکمت کا نتیجہ تھا کہ جہاں جوانوں میں تنہا آپ ہی تھے جو قتل نہ ہوئے۔ جس وقت حکومت اموی کی سرکشی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ اہلبیتؑ کی حقیقت کو مٹادینے کے درپے تھے۔ اور ان کا نام و نشان تک ختم کر دینا چاہتے تھے، اور اسی خواہش کی خاطر انھوں نے اہلبیتؑ کے فرد فرد حتیٰ کہ بچوں تک کو موت کے گھاٹ اتار دیا. جس کی طرف خود امام سجادؑ نے منھال بن عمر کے جواب میں اشارہ فرمایا: جب انھوں نے سوال کیا، اے فرزند رسول اللہؐ کیسے وہ شام آپ پر گزری تھی؟ تو آپؑ نے فرمایا، "وہ شام ہم نے قتل و غارت کے بعد بنی اسرائیل کی طرح گزاری کہ جب مرد قتل کردیے گئے تھے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ (۵۴)"

ان حالات میں امام سجادؑ کا زندہ بچ جانا الٰہی فیصلوں میں سے تھا کیونکہ

اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی اور آپ مکمل جوان تھے ایسی حالت میں بنوامیہ کی تباہ کن منطق کے عین مطابق تھا کہ ایسے جوان کو ختم کردیا جائے اور متعدد مقامات ایسے بھی آئے جہاں آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا لیکن اللہ نے آپکو زندہ و سلامت بچا لیا، اور عین جنگ کے دوران آپ پر ایسا مرض طاری ہوگیا جس کی بنا پر آپ سے جہاد بالسیف ساقط ہوگیا (اور آپؑ زندہ بچ رہے)۔ اور واقعہ کربلا کے فورا بعد آپؑ نے امت اسلامیہ کی اصلاحی قیادت کا آغاز اسلامی مصلحتوں کی بنیاد پر کردیا، اسیران آل محمدؐ کے کوفہ پہونچتے ہی امام سجادؑ نے امت اسلامیہ کی اصلاحی قیادت کے دو بنیادی پہلوؤں پر کام شروع کر دیا.

۱۔ امام حسینؑ کے مشن کو مکمل کرنا

امام حسینؑ اور آپ کے محترم جان نثاروں نے اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح سے ادا کردیا تھا، بنو امیہ اور ان کے گمراہ ساتھیوں کو امام حسینؑ اور اہلبیتؑ کی مسلمانوں کے دلوں میں اہمیت و منزلت کا اندازہ بھی تھا۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے اندھی روش اختیار کرتے ہوئے اپنی ساری کوششیں صرف کیں کہ واقعہ کربلا کی حقیقت چھپ جائے کیونکہ انھیں کسی بھی رد عمل کے وقوع کی توقع تھی خصوصا بلاد شام سے جو ان کا مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔ جس کی وجہ سے انھوں نے اس دور کے سارے مواصلاتی

نظام پر قبضہ کر لیا تھا اور امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے خلاف اتنا پرو پگنڈہ کیا کہ لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ خوارج تھے جن پر حاکم نے کامیابی حاصل کی اور وہ شام میں اپنے اس پروپیگنڈے میں انتہائی درجہ تک کامیاب بھی ہوئے ۔ جہاں سے امامؑ پر یہ فرض ہوگیا کہ وہ بنوامیہ کے اس ڈھکو سلے کا پردہ چاک کردیں اور امام حسینؑ کے قیام کے اھداف کو بیان کر کے دنیا کے مسلمانوں میں ان کی عظمت و اہمیت ظاہر کریں اور بنوامیہ کے مقاصد کو لوگوں پر فاش کردیں.

اور اب امام سجادؑ اور اہلبیتؑ کی محترم شخصیتیں جیسے جناب زینب (س) و جناب ام کلثوم (س) نے اپنی ذمہ داریوں کا آغاز بنوامیہ کے چہروں سے سخت قسم کی خطرناک نقاب کو نوچ پھینکنے اور امت اسلامیہ کو خدا و رسولؐ کے نزدیک تاریخی مسئولیت سے آگاہ کرنے سے کیا.

اور یہاں سے ہر غور و فکر کرنے والا انسان باقاعدہ صاف طریقہ سے یہ محسوس کر سکتا ہے کہ وہ خطبات و توضیحات جو امام سجادؑ اور خواتین اہلبیتؑ نے عراق میں دیں اسکا باقاعدہ لوگوں کے نفوس پر اثر ہوا ، جسکا سبب یہ تھا کہ عراق والے امام حسینؑ کو پہچانتے تو تھے لیکن ان کے دل خوف اور طمع کے سبب لالچی اور ڈرپوک ہوگئے تھے جس کی بناپر انھوں نے امام حسینؑ کے بارے میں نصرت نہیں کی تھی ۔ اور ان کی امام حسینؑ کی پہچان اور معرفت ہی تھی جس کے سبب بنوامیہ نے عراق میں امام حسینؑ کے خارجی

ہونے کا چرچا نہیں کیا تھا کیونکہ بنو امیہ جانتے ہیں کہ ان کا اس قسم کا پروپگنڈہ وہاں قطعا کامیاب نہیں ہوسکتا جہاں کے لوگ امام حسینؑ کو پہچانتے ہوں۔

اور یہیں سے اسیران آل محمد (ص) کا حقیقی کردار شروع ہوتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کے اس خطرے (بنوامیہ) کی طرف متوجہ کیا جو انھیں گھیر چکا تھا اور انہیں امام حسینؑ کے قتل کے جرم کی عظمت کا احساس دلایا، اور اس بات کو ہم آپؑ کے اکثر ان خطبوں میں دیکھ سکتے ہیں جو انھوں نے ان لوگوں کے مجمع میں پڑھے جو ان کی محبت یا دشمنی میں ان کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔

اب ہم امام سجادؑ کے اس خطبے کو ذکر کرتے ہیں جو آپؑ نے اہل عراق کے مجمع میں بیان فرمایا:

"۔ اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ اور جو نہیں جانتا (وہ جان لے) میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس کا احترام برباد کیا گیا، جس کا اسباب لوٹا گیا، جس کا مال چھین لیا گیا، جس کے عیال کو قیدی بنایا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جسے ساحل فرات پر بے جرم و خطا ذبح کر ڈالا گیا، میں اسکا فرزند ہوں جو صبر کرتے ہوئے قتل ہوا اور جس کو اپنی شہادت پر فخر ہے ...

اے لوگو! اللہ تمھیں برباد کرے، تمھیں معلوم ہے کہ تم نے میرے

والد گرامی کو خطوط لکھے تھے اور تم نے ان کو دھوکہ دیکر اپنے تمام عہد و پیمان اور بیعت توڑ کر انھیں قتل کردیا !! پس تمھاری یہ بدبختی اور بد رفتاری تمہیں ہلاک کردیگی ، تم کس منہ سے رسول اللہؐ کے سامنے جاؤ گے جب وہ تم سے کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو قتل اور میری حرمت کو برباد کیا پس تم میری امت سے نہیں ہو ......"(٥٥)

اور بعینہ وہی مضامین جو امام سجادؑ کے کوفے کی گفتگو اور خطبات میں ہیں وہی مضامین جناب زینبؑ ، جناب ام کلثومؑ اور جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کے خطبات اور گفتگوؤں کا بھی جوہر اور لب لباب ہیں ۔ کیونکہ یہ سب کے سب ایک ہی چراغ کی روشنی اور ایک ہی محور و منزل سے فیض حاصل کرنے والے تھے ۔

لیکن اس کے برخلاف شام کے خطبات و احادیث کا انداز اور لہجہ کوفے کے خطبات و احادیث سے بالکل مختلف ہے اگرچہ دونوں کا مقصد امام حسینؑ کے اہداف سے لوگوں کو آشنا کرانا ، اہلبیتؑ کی مظلومیت کو ثابت کرنا اور ان کی طرف لوگوں کے قلوب کو مائل کرنا ہی تھا ، اور یہ لہجوں کا اختلاف بھی صرف حالات کے اختلاف کی بنا پر تھا کیونکہ کوفے کا ماحول اس بات کا متقاضی تھا کہ ان کے سوئے ہوئے ضمیروں کو جگایا جائے اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا جائے لیکن اس کے برخلاف امام سجادؑ اور اہلبیتؑ نے یہ لہجہ نہ اپنایا بلکہ اب شام کے خطبات و احادیث میں اپنی ذات

کا تعارف اور اپنے اہلبیت رسول ہونے کا ذکر کیا، اور حکومت اموی کی برائیوں کا اظہار اور عوام کو ان کو، حقیقت سے ناواقف رکھنے کا اعلان کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں شام میں اہلبیتؑ اور اہل شام کے درمیان گفتگو اور مباحثات کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس میں حکومت اموی کا لوگوں کو حقیقت سے نا آشنا رکھنے اور دنیائے اسلامی میں ان کے مقام کو لوگوں سے چھپائے جانے کا ثبوت ملتا ہے اور خصوصاً حکومت اموی کے اہلبیتؑ کے ساتھ جو رسالت کے حقیقی جانشین تھے، برتاؤ کو پوری طرح سے پردے میں رکھے جانے کی تصدیق ہوتی ہے۔

ایک بوڑھا شخص امام سجادؑ کے قریب اس وقت آتا ہے جب اسیران اہلبیتؑ شام میں داخل ہو رہے تھے اور آکر امامؑ سے کہتا ہے: حمد ہے اس خدا کی جس نے تمھیں ہلاک اور امیر کو تم پر فتح دی (نعوذ باللہ)

امامؑ نے جواب میں پوچھا: اے شیخ کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تو نے یہ بھی پڑھا ہے، " قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی " ؟ اور کیا تو نے یہ پڑھا ہے " و آت ذا القربی حقه " ؟ اور " واعلموا انما غنمتم من شیئ فان لله خمسه و للرسول و لذی القربی " ؟

اس شخص نے کہا: ہاں یہ سب پڑھا ہے۔

پھر امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم ان آیات میں قربیٰ سے مراد ہم ہیں۔

پھر امامؑ نے فرمایا: کیا تو نے یہ قول خدا پڑھا ہے "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا"؟

اس نے کہا: ہاں تو امامؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ اھلبیت ہیں جنھیں اللہ نے طہارت سے مخصوص فرمایا ہے۔

اس شخص نے پوچھا: خدا کی قسم تھیں وہ ہو؟

امامؑ نے فرمایا: بے شک ہم ہی وہ ہیں۔

یہ سنکر وہ شخص اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور بنوامیہ اور ان کے ساتھیوں پر خدا سے اظہار برائت کیا[۵۷]۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ جناب سکینہ بنت الحسینؑ اور ایک شخص کے درمیان بھی موجود ہے۔ یہ اور اس جیسی گفتگو اور واقعات اس بات کو پوری طرح واضح کردیتے ہیں کہ بنو امیہ نے واقعہ کربلا اور اس کے علاوہ دوسرے معاملات کے سلسلے میں مسلمانوں کو کس قدر گمراہ کر رکھا تھا اور اہل شام اور دنیائے اسلامی کے درمیان کتنا دبیز پردہ ڈال رکھا تھا اور وہ کس حد تک اپنی اس پالیسی میں کامیاب تھے تاکہ اپنے منحوس ارادوں اور خواہشات کو پورا کر سکیں....

لیکن اس کے برخلاف امام سجادؑ اور اہلبیتؑ کی خواتین، اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو سمجھتے اور ان حالات میں شام کی اسیری کے دوران جو کردار انھیں ادا کرنا چاہیئے تھا، اسے پوری طرح جانتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام خطبات، گفتگوئیں اور ملاقاتیں صرف ایک مقصد پر مشتمل تھیں اور وہ یہ کہ وقت نے جو لوگوں کے گلوں میں غفلت و جہالت کا آہنی طوق ڈال رکھا ہے اسے توڑ دیا جائے اور لوگوں کو یہ پچھنوایا جائے کہ حقیقی اسلام وہی ہے جس کی قیادت امام حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ کر رہے ہیں۔

یہ اسلام بنوامیہ کے معین شدہ راستوں اور خیالات کو اس راستے سے دور کرتا ہے جو اللہ اپنے بندوں سے طلب کرتا ہے اور ان انحرافات سے لوگوں کو آشنا کرتا ہے جو بنو امیہ نے دین حنیف اسلام میں پیدا کردیے ہیں اور اس دین کے حقیقی قائد امام حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ ہیں۔

اسی حقیقت کو لیکر امام سجادؑ بنوامیہ کے دربار میں یزید بن معاویہ اور اس کے تمام درباریوں جو تحریف و گمراہیوں کے راس و رئیس تھے، کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور ایسا عظیم الشان خطبہ بیان فرماتے ہیں جو بنو امیہ کی گمراہ خونی حکومت و سلطنت کا پردہ فاش کردیتا ہے اور جس میں آپ بتادیتے ہیں کہ یہ قیدی کون ہیں اور دنیائے اسلام میں ان کا کس قدر عظیم مرتبہ ہے۔ آپؑ بیان فرماتے ہیں؟

"اے لوگو ہمیں خدا کی طرف سے چھ عظمتیں عطا ہوئی ہیں اور سات فضیلتوں میں ممتاز قرار دیا گیا ہے۔ ہماری عظمتیں علم، حلم، بزرگی، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہیں۔ اور ہماری فضیلتیں یہ

.. شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہیں ۔ اور ہماری فضیلتیں یہ ہیں ، نبیؐ مختار وصدیق ہمارے خاندان سے تھے ، طیار ہمارے خاندان سے تھے ، شیر خدا اور شیر رسول خداؐ ہم میں سے تھے ۔سیدہ نساء العالمین فاطمہ بتولؑ ہم میں سے تھی ۔ اس امت کے سبطین (امام حسنؑ و امام حسینؑ)ہم میں سے تھے ۔

اے لوگو ! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا اسے میں اپنے حسب و نسب کے بارے میں بتاتا ہوں .....

اے لوگو ، میں فرزند مکہ و منیٰ ہوں ، میں فرزند زمزم و صفا ہوں ، میں اس کا فرزند ہوں جس نے رکن خانہ خدا کو اپنی چادر میں رکھ کر اٹھایا ، میں اسکا فرزند ہوں جو کائنات میں سب سے بہتر لباس و سیرت والا تھا ، اور بہترین طواف و سعی ، حج و تلبیہ کہنے والا تھا ، میں اسکا فرزند ہوں جو براق پر سوار ہوا اور جسے جبریل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا اور پھر وہ قاب قوسین اوادنیٰ کی منزلوں تک پہونچا ، میں اس کا فرزند ہوں جس پر ملائکہ نے نماز پڑھی ، میں اس کا فرزند ہوں جس پر رب جلیل نے جو چاہا وحی کی ..... میں فرزند فاطمہ زہرا سیدۃ النساء ہوں ، فرزند خدیجہ کبریٰ ہوں ۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے خاک و خون میں غلطاں کیا گیا ۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے کربلا میں ذبح کرڈالا گیا ... (۵۷)"

اور جیسے ہی امامؑ خطبہ کی اس منزل پر پہونچے لوگوں پر خوف و ہراس

طاری ہوگیا اور بیشتر لوگ چیخ مار مار کر اس طرح رونے لگے جیسے انھیں ایکدم حقیقت معلوم ہوگئی ہو۔ اور یزید پر گھبراہٹ کا یہ اثر ہوا کہ اس نے امامؑ کا خطبہ روکنے کے موذن کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ آواز اذان سن کر امام خاموش ہوگئے یہاں تک کہ موذن نے " اشهد ان محمد رسول الله " کہا، تو امامؑ یزید کی طرف یہ کہتے ہوئے۔

متوجہ ہوئے رسول عزیز وکریم تیرے جد تھے یا میرے؟ اگر تو کہتا ہے کہ تیرے جد تھے تو تمام حضار اور لوگ یہ جانتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے، اور اگر کہتا ہے کہ میرے جد تھے تو ظلم وستم سے میرے باپ کو کیوں قتل کیا؟ اور ان کے مال کو کیوں لوٹا؟ اور ان کی عورتوں کو قیدی بنایا، قیامت میں جب میرے جد تجھ سے ناراض ہونگے تو تو جہنم کے پست ترین مقام میں جائیگا ...."(۵۸)

اور آل رسول کی خواتین نے تو بنوامیہ کی ناک کو کیچڑ میں رگڑ دیا اور عملی طور پر ان کی حکومت کے تکبر کو مٹی میں ملادیا۔ جیسا کہ جناب زینب کبریٰ (س) کے اس خطبہ میں، جو دمشق کے دربار یزید میں آپ نے انجام دیا دیکھا جا سکتا ہے اور اس کے بعد پھر امام سجادؑ اور آپ کے اہلبیتؑ نے شام سے عراق اور عراق سے مدینہ تک امت اسلامیہ کی اصلاح کے نئے خطوط نقش فرمائے۔

۲۔ اصلاحی مشن کیلئے از سر نو افکار کو استوار کرنا

امام سجاد علیہ السلام نے امت اسلامی کے افکار میں جوش و حرکت پیدا کرنے اور واقعہ کربلا میں ہونے والی سختیوں، مصائب و مشکلات سے آگاہ کرنے کی خاطر دوسرا اقدام اس وقت شروع کیا جب آپ پورے قافلے کو لیکر مدینہ پہونچے، تو پہلے آپ اپنے قافلے سمیت مدینے کے باہر رکے رہے اور ایک شاعر کو بلا کر اس (۵۹) سے کہا کہ وہ اہل مدینہ کے لئے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا مرثیہ پڑھکر انھیں اس کی خبر دے۔ شاعر نے ایسا ہی کیا جس سے لوگ سخت مغموم حالت میں جلدی جلدی اہلبیتؑ کے قافلے کی طرف دوڑے، اور جب لوگ امامؑ کے پاس اکٹھا ہوگئے تو امامؑ نے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نہایت ہی وضاحت سے آپؑ نے خدا کے حقیقی نمائندوں پر کربلا میں ہونے والے مصائب اور اہلبیت پر ڈھائے جانے والے مظالم اور بنوامیہ کی جانب سے رونما ہونے والے تمامتر واقعات کا تفصیل سے ذکر فرمایا (۶۰)

اس کے بعد آپؑ اپنے اہل خاندان کے ساتھ مدینے میں داخل ہوئے اور اپنے گھر میں قیام فرمایا ....اور اب یہاں سے امت اسلامیہ کے لئے حالات کے اعتبار سے آپؑ اپنے نئے دور کا آغاز فرماتے ہیں۔

ہر غور و فکر کرنے والا جانتا ہے کہ امام سجاد (ع) نے مدینہ واپسی کے بعد امت اسلامیہ کے لئے امام حسین (ع) کے ساتھ پیش آنے والے حالات سے

تجربہ حاصل کرتے ہوئے فائدہ اٹھایا۔

شہید اسلام امام حسینؑ کے وہ تجربات جن پر آپؑ بھی گامزن تھے اور جو وقت کا تقاضوں کے [۶۱] اعتبار سے تبلیغ و دعوت اسلامی کی ضرورت تھے سے ایک فائدہ تو آپؑ نے یہ اٹھایا تھا کہ جب دیکھا امت اسلامی عملی اعتبار سے بے حسی و جمود کا شکار ہے اور روح جہاد اگر اس میں معدوم نہیں تو بے انتہا کم ضرور ہے۔

اسی وجہ سے امام سجاد (ع) جو اپنے والد گرامی کے بعد امت کے امام اور فکری، سماجی و شرعی اعتبار سے امت کے مرجع اور عملی طور اصلاح امت کے قائد تھے، کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے تاریخ اسلامی کی حرکت کے خطوط کا تعین کریں، اور ایسا ہی آپؑ نے کیا.... آپؑ نے اپنی تدبیر کے ذریعہ تبلیغ امت کے عمل میں جوش اور تیزی پیدا کی اور امت اسلامیہ میں اپنے دائرہ عمل کو وسیع تر کیا۔

اور جب امامؑ نے دنیائے اسلام میں روحی و ثقافتی انقلاب پیدا کرنے کے لئے اپنی روش میں تیزی اپنائی تو ان جدید خطوط کو، جو اس وقت عالم اسلام میں موجود حالات کے تحت، دو وجوہ کے طور پر درج کیا جا سکتا ہے۔

پہلی وجہ:-

واقعہ کربلا کے فورا بعد عالم اسلامی کے مراکز پر پیدا ہونے والے اہم و

موثر سیاسی اور اجتماعی بحران ۔ ، جن میں اہم ترین یہ ہیں :۔

(۱) انقلاب مدینہ منورہ ۶۳ ھ :

امام حسینؑ کی شہادت کے فورا بعد یہ انقلاب عبداللہ بن حنظلہ انصاری کی قیادت میں حکومت اموی کی عملی مخالفت کے طور پر برپا ہوا ...
جس کا آغاز مدینہ کی مسجد نبوی میں اہل مدینہ کے بزرگوں کے ایک جلسے اور اس میں انصاری کو قائد کے طور پر معین کرنے سے ہوا ۔ اور جس کا دوسرا اقدام بنو امیہ خصوصاً مروان بن حکم کو مدینہ سے نکال دینا تھا... لیکن دمشق میں موجود اموی حاکم یزید بن معاویہ نے فوری طور پر ایک بڑے لشکر کو سفاک ترین اموی قائد مسلم بن عقبہ کی قیادت میں اس شورش کے کچلنے کے لئے بھیجا ، جس نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا ۔ دونوں طرف سے بکثرت فوجیں آمنے سامنے آگئیں جس میں لوگ تباہ ہوئے ..... خون بہایا گیا اور مدینہ منورہ کی حرمت کو برباد کر دیا گیا ۔

اس " معرکہ حرۃ " میں بنوامیہ کی طرف سے ہونے والے مظالم کو شمار نہیں کیا جاسکتا جو اس انقلاب کی نابودی اور کئی روز تک مدینہ رسولؐ کے ہر طریقہ سے مباح قرار دیے جانے کے بعد تمام ہوا ...

" و لا حول و لا قوۃ الا باللہ "

(۲) انقلاب "مکہ"

یہ شورش عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں شروع ہوئی جو امام حسینؑ کے اقدام کے ذریعہ پیدا ہونے والی تحریک کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا. اس نے امام حسینؑ کے ذریعہ پیدا کی گئی روشنی سے کافی حد تک فائدہ اٹھایا اور انقلاب کا اعلان کردیا، جس میں کچھ خوارج اور مدینہ سے بھاگے ہوئے لوگ بھی شامل ہوگئے ۔ لیکن امویوں نے فورا حصیں بن نمیر کی قیادت میں مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور حرم امن و مرکز مسلمین کعبہ کو منجنیق کے ذریعہ تباہ کیا گیا!! ۔ جس سے ابن زبیر کو اور تقویت و تائید حاصل ہوگئی.

لیکن جس وقت یہ لڑائی اپنے کمال پر تھی اس وقت بنو امیہ کے گھرانے نے یزید بن معاویہ کی ہلاکت کی خبر نشر کردی، جس سے ابن زبیر پر ہونے والی سختیوں میں کمی ہوگئی ۔ اور اس نے مصر، کوفہ اور بصرہ پر قبضہ کرنے میں تیزی دیکھی کیونکہ اس وقت ہر ایک ریاست پر ٹوٹ رہا تھا کلی طور پر وہ دور بنوامیہ کے نسبی خلفے کے دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اموی خاندان میں قیادت کا شدید بحران

یزید کی ہلاکت کے بعد اموی خاندان میں قیادت کا شدید بحران پیدا ہوا کیونکہ اس کا بیٹا معاویہ تخت خلافت پر صرف چالیس روز ہی باقی رہا اور اس

کے بعد اس نے خلافت سے کنارہ کشی کا اعلان کردیا جس کے بعد وہ پراسرار حالات میں مرگیا۔

اور اس کے بعد بنو امیہ کی تائید شدہ قیادت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ، جس کی تائید حسان کلبی کی قیادت میں قبائل یمانی کررہے تھے، نے مروان بن حکم کی تائید کی، جب کہ قیسین کی قوتوں نے ضحاک بن قیس الفہری اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ کی قیادت کی تائید کی۔ ۶۴ھ میں ہی یمانی قوتوں نے فوری طور پر بطور حاکم مروان کی بیعت کرلی جس کے سبب دمشق میں معرکہ " مرج راھط " ہوا جس میں آپس میں دونوں قومیں ٹکرائیں، اور جو مروان اور اس کے ساتھیوں کی کامیابی پر ختم ہوا، اس طرح اموی خاندان کا مروانی طبقہ کامیاب ہوکر حکومت پر غالب آگیا۔

(۴) تحریک توابین ۶۵ھ:-

یہ تحریک سلیمان بن صرد خزاعی اور کوفے کی ایک جماعت توابین کی قیادت میں شروع ہوئی۔ جن کا قتل حسینؑ پر افسوس اور صدمہ اس حد تک پہونچا ہوا تھا کہ انھوں نے اپنی تحریک کا نعرہ ہی " نصرت حسینؑ میں شریک نہ ہوسکنے کا کفارہ " قرار دیا۔ جس میں معرکہ " عین الوردہ "[۴] میں شامیوں کے پانچ برابر لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے کچھ مجرمین کو قتل کرنے اور کچھ کے خود قتل ہوجانے اور اموی فوج کے شدید خسارے اور اکثر توابین کے

منتشر ہوجانے پر یہ لڑائی تمام ہوئی۔

(۵) انقلاب مختار ثقفی ۶۶ ھ :-

یہ ایک بلند کردار مرد مومن قائد تھے، جنھوں نے کوفے میں انقلاب کی قیادت کی اور حکومت حاصل کرلی۔ اور والی کوفہ عبداللہ بن زبیر کو نکال باہر کیا۔ اس کے بعد کوفے میں ابن زبیر کی حکومت میں رہنے والے تمام قاتلان حسینؑ کو تلاش کرکے قتل کیا۔ جس کے بعد مختار کا مقابلہ براہ راست بنوامیہ سے ہوگیا اور مختار نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ان کے قائد عبیداللہ بن زیاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

لیکن مختار کی حکومت بھی زیادہ عرصے تک نہ رہ سکی، کیونکہ ان کے اقدام کی سختی نے ان کے اور ابن زبیر کی قوت، جو آہستہ آہستہ کوفے میں بڑھ گئی تھی، کے درمیان دشمنی کو اور بڑھا دیا تھا، بالآخر مختار کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کی طاقت منتشر ہوگئی ...

واقعہ کربلا کے بعد یہ وہ مہم خونی حوادث اور ناگوار اجتماعی حالات تھے جن سے مسلم سماج دوچار ہوا۔

ان تمام حادثات و واقعات کے وقت امام سجاد (ع) نے اپنی سیاسی پالیسی یہ رکھی کہ ان اقدامات میں کسی حاکم سے رابطہ نہ رکھا اور کسی بھی پرچم کے نیچے آپ نے قیام نہ کیا، کیونکہ ان تمام یورشوں اور شورشوں کے رنگ اور

ہدف کی ابتداء سے یہ ظاہر تھا کہ انکا انجام وہی ہوگا جو آخر میں ہوا، اس کے علاوہ امامؑ کو امت میں یکجائی کے فقدان اور صفوف مسلمین میں نظم و تنظیم کے نہ ہونے کا اندازہ تھا، جس کی وجہ سے امامؑ نے صفوف مسلمین میں جہاد کی بات ہی نہ اٹھائی، جیسا کہ آپ کی روش کے برخلاف سلیمان خزاعی اور مختار ثقفی نے بنوامیہ، اور زبیری جماعت کے خلاف، قیام کو اپنی پالیسی اور سیاست قرار دیا۔ لیکن چونکہ امامؑ کو حقیقت حال کا اندازہ تھا کہ ان حالات میں کسی بھی واقعہ کے انجام دینے کا مطلب کسی نہ کسی انداز سے بنوامیہ کی مخالفت قرار پائیگا جس کا انجام روئے زمین سے رسالت الٰہیہ، اور نمائندہ اہلبیتؑ کا خاتمہ ہوگا ___ لہذا بظاہر آپ نے کسی بھی واقعہ میں حصہ نہ لیا اور اس وقت جب انقلابیوں اور بنوامیہ میں ٹکراؤ ہو رہا تھا تو بھی آپ نے انقلابیوں کا ساتھ نہ دیکر مدینہ منورہ چھوڑنا گوارا کر لیا۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ (نہ صرف منصب الٰہی محفوظ رہ گیا بلکہ) اموی حاکم نے آپ کے ساتھ احترام اور عزت کا اظہار بھی کیا جب اسے آپ کے انقلاب میں شریک نہ ہونے کی خبر ملی۔

اسی بنا پر بعض مورخین کے نظریہ کے مطابق مختار ثقفی کو بھی ان حالات میں انقلاب برپا نہیں کرنا چاہیئے تھا یا کم سے کم انقلاب کو ظاہر نہ ہونے دینا چاہیے تھا۔

یہ وہ انداز اور پالیسی تھی جس پر عمل کرکے ہی امام نے اصلاحی روش

کو برقرار، عمومی افکار کو اجاگر اور لوگوں کی اخلاقی اور روحی تربیت فرمائی۔ کیونکہ ان حالات میں آپ کو حتمی و یقینی علم تھا. کہ یہی وہ تنہا راستہ ہے جس پر چل کر رسالت الٰہی کی حمایت اور اہلبیتؑ کے باقی ماندہ افراد کی حفاظت کی جاسکتی ہے، یہ وہ اصلاحی راستے تھے. جنھیں امام نے حکومت اموی اور اس کے حکام کے خلاف قیام اور بغاوت کے طور پر اپنائے (جس کا فائدہ اوپر ذکر کیا گیا).

امامؑ جانتے تھے کہ بنوامیہ کے یہ خراب حالات ہمیشہ باقی نہ رہیں گے اور ایسا ہی ہوا کہ خراب حالات بدلے اور بنوامیہ نے ایک مرتبہ پھر اپنی پرانی ہیبت و درندگی حاصل کرلی اور اپنے تمامتر دشمنوں کو پورے طور سے نیست و نابود کیا۔ اور یہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں تب ہوا جب اس نے نو سال کے بعد زبیریوں کا نام و نشان مٹادیا اور جزیرہ میں سے اپنا نظام سنبھال لیا. [۷۵]

درمیان کی تمام اضافی باتوں کو چھوڑکر پھر ہم اپنے موقف کے طرف پلٹتے ہیں کہ امام سجادؑ کے بیان شدہ موقف اور اقدام سے یہ قطعاً نہ سمجھا جائے کہ امامؑ نے بنوامیہ سے کوئی موافقت کرلی تھی۔ نہیں! بلکہ آپ کا ان سے اختلاف اسی انداز میں قائم تھا جیسا اختلاف حق و باطل میں ہوتا ہے۔ اور آپ نے یہ اقدامات صرف اور صرف اہلبیتؑ کی زندگیوں کے تحفظ کی غرض سے کئے تھے جس کا ہم آئندہ ذکر کرینگے.

دوسری وجہ

در حقیقت اسلامی امت کی بڑی تعداد، خصوصاوہ مسلم شہر ممالک جہاں پر اسلام کا وجود اہمیت و اثر رکھتا تھا جیسے کوفہ، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، بصرہ اور یہاں تک کہ شام تک میں لوگوں کے اہلبیتؑ کی طرف رجحان اور جھکاؤ کا واحد سبب، مظلومیت اہلبیتؑ کی وجہ سے عام لوگوں کے اسلامی شعور کا بیدار ہونا، امام سجادؑ کا امت کی فکری و روحی تربیت کرنا اور ان کا نہایت درجہ اللہ اور الٰہی رسالت و منصب سے مضبوط رابطہ استوار کرنا ہی تھا۔

اپنی سیاسی روش کی بنیاد پر امام سجادؑ نے اہلبیتؑ سے عوامی محبتوں کا فائدہ بھی اٹھایا امت اسلامی کی تاریخی سیاست کو آپؑ نے تین بنیادی عناصر پر استوار رکھا، جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

- محبان اہلبیت کے دائرے میں وسعت، ان کی محبتوں میں شدت اور ان کی محبتوں کو حقیقی محبت میں تبدیل کرنا۔
- اسلامی افکار کے ارتقا کی کوشش اور امت اسلامیہ کے مختلف طبقات کی رسالت الہیہ سلسلے میں عملی کشادگی۔
- ان افکار کے برخلاف جو اموی حکومت کی طاغوتی سیاست کے اشاروں پر ناچیں ..... ممتاز مصمم اسلامی افکار کی قیادتوں کی تخلیق کرنا

گمراہ قوتوں کے کئی برسوں تک اسلام کے فکری اور اجتماعی مراکز پر حکومت کرنے سے بے ثبات نسلوں میں گمراہیاں پیدا ہو چکی تھیں۔

لہذا امامؑ کے ان منتخب اصولوں کی بنیاد پر عوام کو صحیح اسلامی روش اور راستہ نہ ملنے میں جو اسباب حائل تھے، وہ ایک تو ان باطل قوتوں کی وسعت و استحکام اور ان کی مضبوت تنظیموں اور قوتوں کی وجہ سے عوام کی فکروں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور دوسرے مختلف حادثوں میں عوامی قیادت کرنے والے گروہ کا خاتمہ ہو چکا تھا لہذا جدید افراد کی تربیت ضروری تھی کیونکہ اسلام کی اساسی بقا اور حیات اسی گروہ کی بقا و حیات پر منحصر تھی۔

اور یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلام کی پیروی اپنی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی وقت تمام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب تک رسالت الٰہی اپنے فکر و عمل کے ساتھ باقی ہے تب تک امت اسلامی کے قواعد و قوانین کا مسئلہ باقی ہے اور جب تک سنت الٰہیہ کے ہاتھوں میں حکومت اور قانون کی باگ ڈور نہیں آجاتی تب تک امت کی اصلاح کا معاملہ بدستور جاری و ساری رہیگا۔ امام سجادؑ نے جو بلند اور کامیاب راستے معین کئے تھے ان کی بعض مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

امامؑ اور عوامی طبقات میں آپ کا اثر و رسوخ

امام سجادؑ کے وضع کردہ راستوں کے نتیجے میں سماج و معاشرے کو بہت زیادہ فائدہ ہوا اسی لئے امت کی بے پناہ محبت اور متعدد مواقع پر امت کی جانب سے تعظیم و تکریم آپ کے حصہ میں آئی، کہ ان حقائق پر

تاریخ واقعات کا اجماع بھی ہے. جب کہ بہت سے مورخین نے نقل کیا ھے کہ ہشام بن عبدالملک جو اموی گھرانے کی ایک با حیثیت شخصیت تھا ایک سال حج بیت اللہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا۔ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران حجر اسود کا بوسہ لینے کی کوشش کی ،مگر لوگوں کے ازدہام کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ نہ لے سکا۔ تب اس نے اپنے شاہی ساتھیوں اور حاشیہ نشینوں کو حکم دیا کہ منبر نصب کیا جائے تاکہ اس پر بیٹھ کر فرصت کے لحات اور حاجیوں کی بھیڑ چھٹنے کا انتظار کر سکے اور مناسک حج کو سکون و اطمینان کے ساتھ ادا کر سکے ۔ ہشام نہایت ہی شان و شوکت سے منبر پر بیٹھا تھا. غلام اور ساتھی اسے گھیرے ہوئے تھے . اسی دوران امام سجادؑ بڑے سکون و وقار سے تشریف لائے . شان امامت یہ تھی کہ ہیبت سایہ فگن تھی ، رعب و جلال ، طیب و طاہر شخصیت کی نشاندہی کر رہے تھے ، بڑے سکون و اطمینان سے خانہ کعبہ کا طواف کیا ، حجر اسود تک پہونچے ، تو آپ کے رعب و جلال سے مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا ، بڑے اطمینان سے حجر اسود کا بوسہ لیا اور مناسک حج کو انجام دیا.

اس شان امامت کو دیکھکر شاہی دنگ رہ گئے اور حیرت کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہوئے اپنے اموی آقا و مولا پر سوالوں کی بارش کردی کہ یہ کون ہیں ؟ یہ کون ہیں جن کے احترام میں لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا ؟۔ ہشام نے غصہ اور حسد کی وجہ سے عدم معرفت کا اظہار کیا ، مگر وہاں پر علوی شاعر "

فرزدق" موجود تھے ۔ کہنے لگے ، لیکن میں جانتا ہوں یہ کون ہیں ؛ تمام شامی فرزدق کی طرف متوجہ ہوکر امامؑ کی معرفت کا مطالبہ کرنے لگے ۔ فرزدق نے فی البدیہۂ امامؑ کی مدح میں قصیدہ کہا. جس کے چند اشعار اس طرح تھے ،

یہ وہ ہے جس کے نقش قدم کو بطسحاء ، خانہ خدا اور حل و حرم سب پہچانتے ہیں.

یہ اس کا فرزند ہے جو تمام بندگان خدا میں سب سے افضل ہے ۔ یہ تقی ہے نقی ہے طاہر ہے اور سرچشمۂ علم و معرفت ہے ۔

یہ وہ ہے جسے دیکھکر قریش بے ساختہ کہتے ہیں کہ یہ انتہاء کرم ہے ۔

اگر تم انھیں نہیں جانتے (تو سنو) یہ فرزند فاطمہؑ ہے ، اور انھیں کے جد پر نبوت خدا کا خاتمہ ہوا ہے ۔

تیرے یہ کہنے سے کہ یہ کون ہیں ان کا کوئی نقصان نہیں ، جس کا تو انکار کر رہا ہے اسے سب عرب و عجم پہچانتے ہیں ۔

فرزدق نے جب اس شان سے امامت کا تعارف کرایا تو ، اس کے نتیجہ میں گرفتار کرلئے گئے اور عسفان (مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں قید کردیے گئے ۔ !!!

یہاں پر ہمارا مقصد قصیدہ اور واقعہ یا دشمن کے اقدام کا ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس مقام پر سب سے اہم بات یہ ہے ، کہ امامؑ کو عوام کی جانب سے بے پناہ حقیقی محبت اس انداز سے حاصل تھی کہ یہ محبت مقدس لمحات اور

ایسی عبادتگاہ میں، جو ہر ایک کی توجہ کا مرکز تھی، بھی زندہ و جاوید رہی۔ عوام کے ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر نے جیسے ہی اپنے امامؑ حق کو دیکھا فوراً راستہ دیدیا تاکہ آپ بغیر کسی زحمت و پریشانی کے اپنے مناسک حج ادا کرسکیں ...... اگرچہ ہمارے اور اس عظیم واقعے کے در میان زمانے کا فاصلہ حائل ہے مگر پھر بھی ہم اس واقعے کی بے پناہ اھمیت کو اس طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے اذہان میں اس حقیقت کو اجاگر کریں کہ باوجود اس کے امت، اہلبیتؑ کے سلسلہ میں اموی جارحیت و بربریت کو اور اس کے نتیجہ میں اہلبیتؑ کے اعوان و انصار پر جو کچھ گذر رہی تھی، دیکھ رہی تھی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود امت نے اہلبیتؑ کے سلسلہ میں ایسا عظیم موقف اختیار کیا، چاہے موقف بے اختیاری ہی کیوں نہ رہا ہو۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ امام سجادؑ اثرات کی گہرائیاں امت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے مواقف پر اثر انداز رہی ہیں اور اس حقیقت حال کی طرف یہ واقعہ بھی قطعی اشارہ کرتا ہے۔

امامؑ اور طالبان معرفت :-

فکری اور سماجی اصلاح کے سلسلے میں امام سجادؑ کی انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام مسلمانوں میں گرانقدر اور مایہ ناز شخصیتیں ابھر کر سامنے آئیں، اور اس وجہ سے عام لوگوں کی مجلسیں جتنی آپ کے حصہ میں آئیں اتنی کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آسکیں اور بیشک آپ کی وسیع تر تعلیمی

جدوجہد نے آپ کی توقعات کو پورا کیا۔ مسجد نبوی اور آپ کے بیت الشرف نے مسلسل ۳۵ سال تک (جو زمانہ آپ کی امامت کا عہد تھا) ایک بہت ہی عمدہ قسم کی تیز رفتار فکر کا مشاہدہ کیا، جس زمانے میں امام سجادؑ نے تمام طرح کے علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے والوں کی مایہ ناز شخصیتوں کو پیدا کیا۔ صرف مکہ و مدینہ ہی نہیں، بلکہ پوری اسلامی دنیا میں آپؑ ایک ایسے عظیم فکری مکتب کو عالم وجود میں لانے میں کامیاب ہوگئے جس کی منفرد شناخت تھی اور ایک عظیم مقام تھا اور اسی عظیم مکتب نے بہت بڑے بڑے مفکروں۔ لیڈروں ۔ رہبروں۔ محدثوں اور فقیہوں کو جنم دیا۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی پیش کئے جارہے ہیں۔

۱۔ ابو حمزہ ثمالی ثابت بن دینار ۲۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر
۳۔ علی بن رافع ۴۔ ضحاک بن مزاحم خراسانی
۵۔ حمید بن موسی کوفی ۶۔ ابوالفضل سدیر بن حکیم صیرفی
۷۔ عبداللہ برقی ۸۔ یحیی بن ام طویل
۹۔ حکیم بن جبیر ۱۰۔ فرزدق۔
۱۱۔ فرات بن احنف ۱۲۔ ایوب بن حسن
۱۳۔ ابو محمد القرشی السدی ۱۴۔ طاوس بن کیسان الھمدانی
۱۵۔ ابان بن تغلب بن رباح ۱۶۔ قیس بن رمانہ
۱۷۔ ابو خالد وردان الکابلی ۱۸۔ سعید بن مسیب المخزومی

۱۹۔ عمر بن علی ابن الحسینؑ اور ان کے بھائی عبداللہ۔
۲۰۔ جابر بن محمد بن ابی بکر، وغیرہ[۲۷]۔

ان کے علاوہ آپ کے وہ اصحاب جنھوں نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔ انمیں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جابر بن عبداللہ انصاری ۲۔ عامر بن واثلۃ الکنانی
۳۔ سعید بن مسیب بن حزن ۴۔ سعید بن جھان الکنانی

اور وہ لوگ جنھوں نے آپؑ کے اصحاب سے آپ کی روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ سعید بن جبیر ۲۔ محمد بن جبیر بن مطعم
۳۔ القاسم بن عوف ۴۔ اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر
۵۔ ابراھیم بن محمد بن الحنفیہ اور ان کے بھائی حسن
۶۔ حبیب بن ابی ثابت ۷۔ ابو یحیی الاسدی
۸۔ ابو حازم الاعرج ۹۔ سلمۃ بن دینار المدنی وغیرھم

اور ان حضرات (اصحاب) سے روایات نقل کرنے والوں میں مشہور ترین یہ ہیں: زھری، سفیان بن عیینہ، نافع، اوزاعی، مقاتل، واقدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ ......

اور وہ لوگ جنھوں نے ان مذکور لوگوں سے روایات نقل کی ہیں ان میں بیشمار لوگ ہیں جن میں بعض کا ذکر کیا جا رہا ہے، طبری، ابن البیع، احمد

بن حنبل ، ابن بطہ ، ابو داود ، صاحب الحلیۃ ، صاحب الاغانی ، صاحب قوت القلوب ، صاحب اسباب النزول ، صاحب الترغیب و الترھیب ، صاحب الفائق ، صاحب المصطفیٰ و غیرہم ، اور جو حضرات زیادہ تفصیلات کے خواہاں ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ معجم الرجال الحدیث کی طرف مراجعہ کریں تاکہ ان کتابوں کی روشنی میں وہ اس حقیقت سے آشنا ہوجائیں کہ اسلام اور امت اسلامیہ کے لئے امام سجادؑ نے کتنا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

اگرچہ آپ کی خدمات کا اندازہ آپ کی اس عظیم درسگاہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس نے مختلف اسلامی علوم ومعارف کے ماہرین کی تربیت کی اور ان کو منزل کمال تک پہونچایا۔

اسلامی فکر کی ترقی میں امام سجادؑ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے اس کی بنیاد پر ایک مصنف و مورخ نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔ " قل ما یوجد کتاب زھد موعظۃ لم یذکر فیہ قال علی بن الحسین قال زین العابدین " وعظ و نصیحت کی بہت ہی کم ایسی کتابیں ہیں۔ جن میں یہ حقیقت مذکور نہ ہو کہ امام علی بن الحسینؑ نے فرمایا ، یا امام زین العابدینؑ نے فرمایا ، " (گویا وعظ و نصیحت کی ہر کتاب امام زین العابدینؑ کے اقوال سے مزین ہے) اسلامی تحریک کے سلسلے میں امام سجادؑ کی مدبرانہ سیاست نے جن مثبت اور کارآمد نتائج کو پیش کیا اس پر روشنی ڈالنے کے بعد ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم امام سجادؑ کے اس طریقے کی طرف بھی اشارہ کریں جسے امام سجادؑ نے اپنا کر

مکمل کر دیا۔

امام سجادؑ کی سیرت کا دقیق مطالعہ ہم کو آگاہ کرتا ہے کہ امامؑ نے ایک ایسے خاص طریقے کو اپنایا جس کے مقاصد بالکل واضح اور آشکار تھے۔

قارئین کی خدمت میں امامؑ کے ان مقاصد کو پیش کیا جارہا ہے جن پر آپؑ نے زیادہ توجہ دی۔

۱۔ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے ذکر کو زندہ رکھنا:

امام سجادؑ نے اپنے گھر میں عزاداری سید الشہداء قائم کر کے یاد شہداء کو زندہ رکھا اور اس یاد شہداء کو ہمیشہ کے لئے زندگی عطا کر دی، تاکہ یاد شہداء اسلامی تاریخ اور امت کے ضمیر میں ہمیشہ باقی رہے۔ اور اموی حکومت کے خلاف عوام میں جذبہ انتقام کی روح دم نہ توڑنے پائے۔ جیسا کہ امام صادقؑ نے فرمایا: "امام سجادؑ نے بیس سال تک مسلسل گریہ و زاری کی۔ جس پر ایک دن آپ کے غلام نے کہا "کہ آپ کا یہ گریہ کب تک جاری رہیگا؟

امامؑ نے فورا جواب دیا: "تم پر وائے ہو، یعقوب نبی کے بارہ بیٹے تھے، اللہ نے صرف ایک بیٹے کو ان کی آنکھوں سے دور کر دیا تو اتنا گریہ کیا کہ کثرت گریہ سے آنکھیں سفید ہوگئیں اور غم سے کمر خمیدہ ہوگئی، حالانکہ ان کا بیٹا زندہ تھا، مگر ہائے افسوس، ہم نے اپنے والد بزرگوار بھائی، چچا اور

اہلبیتؑ کے سترہ افراد کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا پس کیونکر ہمارے حزن وملال کا سلسلہ منقطع ہو سکتا ہے"(۶۳) اس مقام پہ تاکیداً اس بات کا ذکر کر دینا بہت ضروری ہے کہ واقعہ کربلا کے عینی مشاہدے کی وجہ سے امام سجادؑ شخصی اور ذاتی محبت کی بناپر متاثر اور غمزدہ تھے اور اسی بناپر آپؑ گریہ و زاری اور عزاداری سیدالشہداء کے ذریعہ ان حولناک اور نازک لمحات کو بیان بھی کیاکرتے تھے۔ مگر میرے خیال میں امام سجادؑ کے دل و دماغ میں واقعہ کربلا اپنی عظمت و تاثیر کے ساتھ ساتھ ایک ایسا با اثر مرکزی محاذ بن گیا تھا جسے پیغام الٰہی کی تبلیغ کی بنیاد بنانا ضروری تھا، اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب عزاداری سید الشہداء کے ذریعہ اہلبیتؑ کی مظلومیت کو مسلسل منظر عام پر لایا جائے اور بنی امیہ اور عالم مسلمانوں کے درمیان، خلیج کو اور گہرا کردیا جائے اور اگرچہ خاموشی سے ہی سہی لیکن اموی بے راہ روی اور اسلامی معاشرے میں رونما ہونے والے تمام انحرافات کے خلاف ایک محاذ قائم کرکے جذبہ انتقام کی آگ کو بھڑکا دیا جائے۔

اور یقینا پیغام الہیٰ کی بقا کے لئے امام سجاد نے عزاداری کو بنیاد بنانے میں کامیابی حاصل کرلی اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوا جب امامؑ نے عزاداری سید الشہداء کو حیات ابدی عطا کردی اور آپ عزاداری سید الشہداء کے احیاء کے سلسلے میں اپنے چاہنے والوں کو مسلسل ترغیب دلاتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے، "اس جھان فانی میں جتنی اذیتیں اور مصیبتیں دشمنوں سے ہم کو

ملی ہیں انکو سنکر اگر کوئی مومن گریہ کرے اور اس کے آنسو رخسار پر جاری ہوجائیں تو خداوند عالم اسے صدیقین کے ساتھ محشور کریگا" ـــــ کبھی فرماتے "ہماری محبت کی وجہ سے اگر کسی مومن کو مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے اور اس کے سبب سے اس طرح گریہ کرے کہ آنسو رخسار پر جاری ہوجائیں تو خداوند عالم اسے آتش جہنم کی اذیتوں سے نجات دیگا۔

حقیقت میں امام سجادؑ نے عزاداری کی شکل میں واقعہ کربلا کی یاد کو تازہ کرکے اس وقت بنی امیہ کو ذلیل و رسوا کیا، ان کے ظلم و ستم کو دنیا پر آشکار کیا اور پیغام الٰہی کے خلاف بنوامیہ کے تاریخی جرائم سے دنیا والوں کو متعارف کرادیا۔

اگرچہ امامؑ کے زمانے میں اموی حکومت سے اظہار عداوت اور ان کے جرائم و کرتوتوں کے مقابلے میں صف آرائی کرنا عوام الناس کے لئے غیر ممکن تھا، مگر پیغام الٰہی کی فلاح کے لئے عزاداری امام حسینؑ اور اس عزاداری کے ذریعہ مرتب ہونے والے مثبت اثرات ایسے اہم وسیلہ تھے جن کو امامؑ نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اور اسی کے ذریعہ ظالم اموی حکومت کے خلاف عوام میں نفرت اور جذبہ انتقام کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اور ایسا ہی ہوا ـــــ

یہاں تک کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عزاداری مظلوم کربلا امام سجادؑ کے لئے ایک بہت ہی اہم وسیلہ بن گئی جس کے ذریعہ آپؑ ساری زندگی طاغوتی سیاست کو ذلیل و رسوا کرتے رہے لہٰذا آج بھی عزاداری مظلوم

کربلا مستکبرین و منحرفین کے مقابلے میں ایک اسلحے کا کام کرتی ہے۔ اور یہی عزاداری اسلام عظیم کی راہ میں فداکاری اور قربانی کے جذبے کو جلا دیتی ہے۔

۲۔ دعاء :۔

امام سجادؑ کی سیرت مبارکہ کی عظمت میں آپ کی بلند و بالا اور باکمال و عظیم دعائیں بہت زیادہ راہنمائی کرتی ہیں، یہاں تک کہ ہم یہ بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ دعا نے امام سجادؑ کے زمانے میں ہی اپنا طلائی دور دیکھا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کی دعائیں اپنے قوت بیان، معنی کی گہرائی اور عظمت الفاظ کی بناپر ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہیں جیسے امام علی بن ابیطالبؑ کی وہ دعائیں جو آپؑ نے تعلیم فرمائیں۔لیکن یہ گلستان جس قدر سرسبز و شاداب اور کمال کو امام سجادؑ کے ذریعہ پہونچا اس میں آپ منفرد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم امام سجادؑ کی دعاؤں میں ارتباط و تکامل کے بیک وقت دو رخ دیکھتے ہیں، یہاں تک کہ ایسا بھی لگتا ہے کہ جیسے یہ بیک وقت دو نظریات کے تحت بیان کی گئی ہیں، جس کا ایک نظریہ اس کا عبادی پہلو ہے اور دوسرا نظریہ اس کا وہ اجتماعی پہلو ہے جس کی اصلاح کی قیادت امام سجادؑ فرمارہے تھے۔ اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ دعا ایک ایسا موضوع ہے جس میں متعدد طرح کے مضامین ہوتے ہیں۔

اس کا ایک پہلو تعبدی ہوتا ہے تو دوسرا رضائے الٰہی تک پہونچنے کا

وسیلہ و ذریعہ ہوتا ہے۔

لیکن امام سجادؑ نے ایک الٰہی نمائندے کی حیثیت سے عظیم صلاحیتوں کی بنا پر اپنی دعاؤں میں تعبدی اور توسلی پہلوؤں کے ساتھ متعدد اجتماعی پہلو بھی پیدا کئے جو اپنے اندر عظیم مفاہیم اور زندہ افکار لئے ہوئے ہیں۔

اور یہیں سے ہم دیکھتے ہیں کہ امام سجادؑ کی دعائیں پورے طریقہ سے انقلابی اہداف لئے ہوئے ہیں۔

آپ مومنین کو دعا کے ذریعہ حمد و تقدیس پروردگار کی تعلیم بھی فرماتے ہیں، گناہوں سے توبہ کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، مناجات و انقطاع رسول اللہؐ اور اولیاء اللہ پر صلوات اور ثناء کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ مومنین کو اپنے معاشرے کے ساتھ صحیح برتاؤ، والدین کے ساتھ نیکی، اولاد پر باپ کا حق، باپ پر اولاد کا حق، پڑوسی کا حق اور عام مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حق کی تعلیم بھی دعا ہی کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

دعا ہی کے حوالے سے بہترین اعمال، مسلمان کے لئے صحیح زندگی گزارنے کے لوازمات و ضروریات، اور اقتصادی مسائل جیسے قرض وغیرہ کے آداب بھی بیان فرماتے ہیں۔

اور یہ تمام مسائل دعا کے پیرائے میں نہایت ہی اچھے اور خوبصورت اسلوب تعلیم میں پیش کرتے ہیں۔

امام سجادؑ کی اس ابدی میراث کو یکجا کیا گیا اور اسے "صحیفہ سجادیہ" کا

عنوان دیا گیا ہے جو مومنین کے درمیان رائج ہے۔ اور آپ کی اس میراث کے سلسلے میں ائمہ اہلبیتؑ جیسے امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے بھی نہایت درجہ اہتمام برتا ہے۔

امام سجادؑ کی دعاء مکارم اخلاق

دعا کے کچھ حصے کا ترجمہ

بار الہا! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرمایا اور مجھے ان مصروفیتوں سے دور رکھ جو عبادت میں مانع ہوں، اور ان کاموں میں مشغول کر جن کا کل تو قیامت میں مجھ سے سوال کرے گا۔ اور میری زندگی کے دنوں کو غرض خلقت کی انجام دہی کے لئے مخصوص کردے، اور مجھے اپنے علاوہ دوسروں سے بے نیاز کردے، اور میرے رزق میں کشادگی عنایت فرما، احتیاج و تنگ دستی سے محفوظ کر، عزت دے، تکبر سے دور رکھ، میرے نفس کو اپنی عبادت کی توفیق دے، اور خود پسندی سے میری عبادت کو فاسد ہونے سے محفوظ رکھ، میرے ہاتھوں سے لوگوں کو فائدہ پہونچا اور اسے احسان جتانے سے برباد نہ ہونے دے، مجھے بلند درجۂ اخلاق کرامت فرما اور غرور و تفاخر سے محفوظ رکھ۔ بار الہا! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما اور لوگوں میں میرا درجہ جتنا بلند کرے مجھے خود اپنی نظروں میں اتنا ہی حقیر کردے اور جتنی مجھے ظاہری عزت دے اتنا ہی مجھے باطنی اور داخلی ذلت اور بے وقعتی دے۔

خدایا! میری کسی بری خصلت کو اصلاح کے بغیر نہ رہنے دے اور کسی بھی بری عادت جس پر تیری سرزنش ہو، کو بغیر درست کئے نہ چھوڑ اور میری تمام ناقص نیک صفات کو منزل کمال تک پہونچا۔

بارالہا! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما، اور میرے ظالم پر مجھے غالب قرار دے، اور دشمن کے مقابلے میں میری زبان (کلام) کو مدلل بنا، اور مجھے میرے حریف پر کامیاب کر، مجھ سے مکر کرنے والے کا مکر باطل کر، اور جو مجھے کمزور کرے اس پر قابو دے، جو میری بدگوئی کرے اسے جھٹلانے کی طاقت دے اور جو مجھے خوف زدہ کرے اس سے محفوظ رکھ، جو میری اصلاح کرے اس کی اطاعت اور جو راہ راست دکھائے اس کی پیروی کی توفیق عطا کر ۔ یا اللہ! محمدؐ و آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اپنے سے دھوکہ و فریب کرنے والے سے نیکی کی توفیق عنایت فرما، اور جو مجھ سے دوری کرے اس سے اچھا برتاؤ کروں، اور جو مجھے محروم کرے اسے بخشش و کرم سے بدلہ دوں اور جو قطع رحمی کرے اس سے صلہ رحمی کروں، اور جو میری عدم موجودگی میں میری برائی کرے میں اس کا ذکر خیر کروں اور حسن سلوک پر تشکر اور بدی سے چشم پوشی کروں۔

بار الہا! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے عدل کے رائج کرنے، عیب کو چھپانے، نرم خوئی و فروتنی اور حسن سیرت اختیار کرنے، رکھ رکھاؤ رکھنے، حسن اخلاق سے پیش آنے، فضائل کی طرف قدم بڑھانے، تفضل

و احسان کو ترجیح دینے ، پست و بیہودہ حرکتوں سے گریز کرنے ، غیر مستحق سے بھی نیکی کرنے ، اور حق گوئی میں اگرچہ وہ گراں ہو اور اپنی نیکیوں کو کم سمجھنے میں اگرچہ وہ زیادہ ہوں اور اپنے قول و فعل کی برائی کو زیادہ سمجھنے میں اگر چہ وہ کم ہوں ، کی توفیق عطافرما۔

خدایا ہمیں زیور صالحین سے آراستہ اور زینت متقین کے لباس سے مزین فرما ، اور ان چیزوں کو دائمی اطاعت اور جماعت سے وابستگی کے ذریعہ اور اہل بدعت و اختراع کے جھٹلانے کے ذریعہ منزل کمال تک پہونچا۔

خداندا ! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ایسا بنادے کہ وقت ضرورت تیرے ذریعہ حملہ کروں ، وقت حاجت تجھ سے سوال کروں ، فقر و احتیاج پر تجھ سے گڑگڑاؤں ، میرا امتحان پریشانیوں میں غیر کی مدد سے نہ لینا اور ناداری و فقر میں اپنے غیر سے درخواست کرنے سے نہ لینا تاکہ خوف میں تیری طرف سے ناکام ، محروم و ناامید ہوکر تیرے غیر سے فریاد نہ کروں ، اے ارحم الراحمین۔

پروردگارا ! میرے دل میں شیطان جو ہوس ، بدگمانی اور حسد کے جذبات پیدا کرتا ہے ، انھیں اپنے ذکر کی عظمت ، اپنی قدرت میں غور و فکر اور دشمن پر غلبہ کی تدبیر سے بدل دے ــ اور میری زبان پر شیطان جو فحش گوئی ، بیہودہ کلامی ، دشنام طرازی ، جھوٹی گواہی ، مومن کی غیبت اس کی غیر موجودگی میں اور موجود ہونے کی صورت میں اسے برا بھلا کہنے و غیرہ پر

ابھارنے کو اپنی حمد کرنے ،اپنی ثنا و مدح میں کوشش کرنے اور اپنی عظمت و بزرگی کے بیان ، اپنی نعمت کے شکر ،اپنے احسان کے اعتراف اور اپنی نعمات کے شمار میں تبدیل کردے ۔ بار الہا! محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ظلم سے محفوظ رکھ کہ تو اس سے حفاظت پر قادر ہے ،مجھے گمراہ نہ ہونے دے کہ تو میری ہدایت کر سکتا ہے۔ مجھے فقیر و محتاج نہ ہونے دے کہ میری وسعت تجھ سے ہے ،مجھے سرکش نہ ہونے دے کہ میری خوشحالی تیری جانب سے ہے ۔ خدایا! مجھے ہدایت کی زبان دے ، مجھ پر تقوی الہام فرما ، نیکی کی توفیق اور ایسے عمل کی توفیق دے جو تیری رضا کا سبب ہو ۔ خدایا! مجھے بہترین راستے پر گامزن کر اور میری موت و زندگی کو اپنی ملت میں قرار دے ۔

بار الہا! محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما ،مجھے میانہ روی سے بہرہ مند فرما اور پرہیز کاروں ،ہادیوں اور بندگان صالح میں سے قرار دے ،قیامت میں بلند مرتبہ دے اور جہنم سے محفوظ رکھ ۔

بارالہا! محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اسراف سے دور رکھ ، میرے رزق کو بربادی سے محفوظ رکھ اور مجھے وہ راہ ہدایت دکھا جس پر چل کر میں اسے خرچ کروں ۔ یا اللہ! محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما ،مجھے تنگ دستی سے محفوظ رکھ اور میری منزلت کو فقر و محتاجگی کی وجہ سے نہ گرا تاکہ جو تجھ سے رزق حاصل کرتے ہیں ،ان سے رزق مانگنے لگوں اور

بدترین مخلوق مجھے عطا کرنے لگے ، جو مجھے عطا کرے اسکی تعریف میں لگ جاؤں اور جو نہ دے اس کی مذمت و برائی کرنے لگوں ۔ جب کہ دینے اور روکنے والا تو ہے ۔

بار الہا محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اپنی عبادت کے لئے صحت دے اور اپنے زہد کے لئے فرصت دے اور اپنی راہ میں خرچ کرنے والا علم دے اور تیرے جمال و جلال تک پہونچے والا ورع و تقوی عنایت فرما ۔

اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام سجادؑ کی امت اسلامی کی قیادت کے زمانے میں امت کی اصلاح کے وسیلوں میں سے ایک مہم وسیلہ " دعا" تھی کیونکہ اس میں ایک طرف تو عبادت و عبودیت کے اعلی مضامین ہیں جیسے اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور اس سے رابطہ کا طریقہ ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک جدید اسلامی فکر اور حقیقی اسلام کے عملی مفاہیم کی جانب بھی دلوں کو متوجہ کیا گیا ہے ، اور وہ بھی تربیت کے اعلی ترین طریقہ سے ۔ امام سجادؑ نے اس روش کو ان حالات اور ایسے زمانے میں اختیار کیا ، بنوامیہ کے ذریعہ امت اور رسالت الہیہ پر ظلم و ستم کے سیلاب کا زمانہ تھا ۔

۳ ۔عام مسلمانوں کے مشکلات کا عملی حل نکالنا

ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام نے اگرچہ ایسے زمانوں میں زندگیاں

گزارش کہ جب دنیائے اسلام و مسلمین کے مراکز پر صاحبان ظلم و انحراف کا پوری طرح سے قبضہ تھا، لیکن اس کے باوجود آئمہؑ ہمیشہ عوام سے اپنے تعلقات استوار رکھتے چاہے وہ جس طرح بھی اور جس حد تک بھی ممکن ہوں۔ اور ممکنہ حد تک عوام کے پست طبقے سے محبت کا برتاؤ کرتے اور ان کی پریشانیوں اور سختیوں کو کم کرتے اور جہاں تک امکان ہوتا انکی مشکلات کو دور کرتے۔ ائمہؑ کے ان اقدامات کا واحد سبب یہ ہوتا تھا کہ ان اعمال کے ذریعہ رضاء الٰہی حاصل کریں۔ حالانکہ اس میں عام لوگوں کو اپنی جانب موڑنے کا جذبہ بھی کارفرما رہتا تھا لیکن اس کا اصلی سبب بھی رضا الٰہی ہی ہوتا تھا۔

اس لئے دوسرے ائمہؑ کی طرح امام سجادؑ نے بھی امت کے سلسلے میں بے انتہاء اہتمام برتا اور اس کے اکثر طبقات سے نہایت درجہ مستحکم اور گہرے تعلقات استوار کئے۔ آپکیؑ حیثیت عوام کے درمیان ایک رحم دل باپ اور ایک صاحب حکمت رہبر کی تھی جسے ہمیشہ اپنی پوری امامت کے دوران امت کے علاج و ترقی کی فکر رہتی ہے۔

ہم نے امامؑ کی اخلاقی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے کچھ واقعات و حالات کا ذکر کیا ہے لیکن یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کی امت اسلامیہ کے ساتھ طرز معاشرت میں مشکلات حل کرنے کے پہلو پر بھی روشنی ڈالی جائے"

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں، " وہ فقراء

مدینہ کے سوگھروں کی دیکھ بھال فرماتے۔ اور تعجب اس پر ہوتا کہ جو یتیم و فقراء، آفت زدگان اور مساکین مجبور ہوتے آپ انھیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور ان میں جو صاحبان اہل و عیال ہوتے انھیں ان کے عیال کا کھانا ساتھ لے جانے کیلئے دیتے"(۷۶)

زھری سے روایت ہے کہ : وہ (امام سجادؑ)رات کو اپنے کمزور پڑوسیوں کے گھر میں پانی بھرتے(۷۷)

ابن اعرابی سے روایت ہے کہ : جب انقلاب مدینہ منورہ کے بعد یزید بن معاویہ نے مدینہ کی تباہی کے لئے لشکر بھیجا تو امام علی بن الحسینؑ نے چار سو خواتین کو اپنے خاندان میں شامل کرلیا، اور خود ان کے نفقہ کے لئے زحمت برداشت کرتے تھے، یہاں تک کہ لشکر واپس ہوگیا(۷۸).

اور یہی آپ کا کردار اس زمانے میں بھی نقل ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر نے بنوامیہ کو مدینہ سے نکالا تھا.

غلام طبقہ کے سلسلے میں آپکا اہتمام اور ان کے سلسلے میں آپ کا کردار یہ تھا کہ آپ انھیں اپنے کرم کے ذریعہ عام مسلمان معاشرے میں داخل کیا کرتے تھے۔ امام محمد باقر(ع) ہی سے روایت نقل ہے کہ فرمایا : وہ (امام سجادؑ) غلاموں کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے کثرت سے غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ امامؑ نے غلام سماج کی بڑی تعداد آزاد کردی تھی(۷۹).

اس کے علاوہ سماج کے طبقہ کے لئے آپ خصوصی اہتمام برتتے تھے

یہاںتک کہ ایک روز جب نافع بن جبیر نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں امامؑ کی ذلت و رسوائی ہے اور امامؑ کے اس کام سے بالاتر ہوناچاہیے ،امام سے کہا آپ پست اقوام کے ساتھ بیٹھتے ہیں، تو امامؑ نے نافع کے اعتراض کو رد کرتےہوئے فرمایا "میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں جن کے ساتھ بیٹھنا میرے دین کے لئے فائدہ مند ہے"[۸۰]۔

یہ امام علیہ السلام کے مختلف عوامی طبقات کے ساتھ برتاؤ اور اہتمام کی مختصر داستان ہے جس میں عوام سے امامؑ کا گھلنا ملنا، ان کی مشکلات کو حل کرنا اور بحد ممکن انھیں ان کی بدحالی اور سخت حالات سے بچانا وغیرہ کا ذکر ہے جو امامؑ کے عام سماج کے ساتھ فعال کردار کا نتیجہ اور ثبوت ہے ۔

۳۔ تعلیمی مہم :

اس سے پہلے بھی ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ امام علیہ السلام نے مسجد نبوی اور اپنے بیت الشرف کو معارف اسلامی کے نشر کرنے کا بہترین مرکز بنالیا تھا جس کے ذریعہ آپ نے اپنی تعمیری کوششوں اور مجاہدت سے امت اسلامیہ کے تمام جوانب میں اسلامی فکر بیدار کردی تھی۔

جس کے سبب ستارۂ ہدایت کی ضیاء پھیلی اور کچھ لوگوں نے آپ کی شاگردی اختیار کی اور پھر دوسروں نے ان سے پیغام ہدایت دریافت کیا اور انھوں نے اوروں سے نقل کیا، اور اس طرح اسلام حقیقی کی ترویج میں

عوام کے درمیان اھلبیت کے مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کی امام سجاد (ع) کی کوشش کامیاب ہوگئی، جسے آپؑ کے بعد امام باقر (ع) اور امام صادقؑ نے منزل کمال تک پہونچایا اور اس شجرہ طیبہ کو کامل و شامل انداز میں ثمر یاب کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی مہم میں امام سجاد (ع) نے اپنے جد رسول اللہؐ کی احادیث کو ان سلسلوں سے نقل کرنے کا کام کیا جن کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہ ہوسکے، اور جن سلسلوں میں سب سے پہلے سیدا شباب اہل الجنۃ، پھر امیر المومنین علی (ع) سے گذرتا ہوا یہ سلسلہ رسول اللہؐ اور پھر وحی الٰہی پر تمام ہوتا تھا۔ اور فکر سلیم، فقہ صحیح اور سیدھے راستے کی ہدایت کا بذات خود یہ بہترین طریقہ تھا جو ہدایت کے مواقع اور فکر و عمل کی گمراہیوں سے نجات دلانے میں بہترین ممد و معاون تھا.

اپنی اس تعمیری مہم کے ذریعہ اپنی امامت کے پینتیس سالوں میں امام سجادؑ نے ایسے حافظان روایات، فقہاء اور مفکرین پیدا کئے جنکا شمار ان کے درجہ اول کے لوگوں میں ہوتا ہے اور ان میں صحابی، تابعی اور دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔

اور ان منفرد اور ممتاز شخصیتوں کی اہمیت (جن میں سے کچھ کے نام گزشتہ صفحات میں بھی آچکے ہیں) کا معاجم (ڈائریکٹری) رجال پر نظر کرنے والا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ صحیح اسلامی افکار حقیقی فقہ اسلامی، درست تفسیر

قرآن کریم اور مستحکم اعتقادی افکار وغیرہ میں ان کی حیثیت فکر اسلامی کے ان پلوں جیسی ہے جن سے گزر کر یہ تمام علوم صحیح و سالم طریقہ سے امت اسلامیہ تک پہونچ سکے۔ اور دنیائے اسلام میں ان کی تاریخی حیثیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امام باقر(ع) و صادقؑ کے عظیم مدرسہ میں ان کی وقعت، بادبان اور ناخداؤں جیسی تھی، کہ جن کے پاکیزہ مدرسہ کے چشمہ ہای زلال آج تک جاری ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہیں گے۔

ان تمام بحثوں میں ہم نے اب تک کوشش کی کہ ان اصلاحی اقدامات کا ذکر کریں، جو امام سجادؑ نے فرمائے۔ جیسے، عام مسلمانوں کی ہدایت اور صحیح دعوت۔ اس کے ضمن میں ہم نے امام سجادؑ کے اصلاحی عمل کی بنیادوں، دنیائے اسلام میں سیاسی جدجہد کا حقیقی طریقہ کار اور امامؑ کے فکری عنایات اور اجتماعی تعاون وغیرہ کا بھی ذکر کیا۔ (جس سے امامؑ کی پوری زندگی اور آپؑ کے طریقہ کار کا اجمالی اندازہ لگایا جا سکتا ہے)۔

بالمثل سیاست

امام سجاد علیہ السلام کی اس خاموش سیاست جس میں آپ نے کئی سال تک اپنی امامت کے زمانے میں اموی حکومت کے انحرافات و گمراہیوں کے خلاف بظاہر کوئی آواز نہ اٹھائی تو اسکا فائدہ یہ ہوا کہ بنوامیہ آپ کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہوگئے کہ واقعہ کربلا کے بعد پورے دس سال میں بلاد اسلامی کے طول و عرض میں ہونے والی کسی بھی یورش و انقلاب میں ان کا ہاتھ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے آپ اپنے مشن کے ساتھ پوری طرح محفوظ رہ گئے۔

آپ کی اس مصلحت آمیز خاموشی کے کچھ مفید نمونے یہ ہیں: جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ کی جنگ کا سپہ سالار معین کیا تو اسے یہ دستور دیا کہ "اگر تو ان پر غلبہ حاصل کرلے تو ان کے مال، جانور اور اسلحے تینوں چیزیں تیرے لشکر کی ہیں اور علیؑ بن الحسینؑ کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرنا اور ان سے نیک برتاؤ کرنا کیونکہ وہ ہمارے معاملات میں

مداخلت نہیں کرتے"۔[۸۱]

اسی طرح سے جب عبدالملک بن مروان نے ہشام بن اسماعیل کو مدینے کا والی بنایا تو امامؑ کے سلسلے میں اچھے برتاؤ کی تاکید کی[۸۲] اور جب حجاج بن یوسف ثقفی نے سے ابن زبیر کا تصفیہ کرلیا اور عوام پر وہ ظلم دستم کیا کہ جس کی تاریخ میں کم ہی مثالیں ملتی ہیں، تو عبدالملک نے اسے لکھا" اما بعد ؛ بنو عبدالمطلب کی خونریزی سے گریز کر، کیونکہ میں نے آل ابی سفیان کو دیکھا ہے کہ جب بھی ان کے در پے ہوئے ہیں تو اس کے بعد بہت کم دن باقی رہ سکے ہیں"[۸۳]۔

لیکن بنوامیہ سے امام کے ٹکراؤ نہ کرنے والی لمبے عرصے کی سیاست کے قطعاً یہ معنی نہیں ہیں کہ امام سجادؑ نے ان کے ظلم و ستم، و بربریت سے اختلاف نہیں کیا۔ نہیں بلکہ شورش مدینہ کے وقت حالات کی خرابی، اور زبیر کے ظالمانہ قیام کے وقت، امامؑ نے کئی سخت اقدامات کئے ہیں جن کی تاریخ میں مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً اس وقت جب شورش مدینہ کو کچلنے کے لئے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں اموی لشکر کے مدینہ کی طرف آنے کی خبر آپکو ملی تو آپ نے اس سخت مصیبت کو محسوس کیا اور اللہ کی بارگاہ میں اس شر کو ٹالنے کے لئے یہ دعا کی:

"پروردگارا کتنی ہی نعمتیں تو نے مجھ پر نازل کیں جن کا میں نے ان کے مقابلے میں بہت کم شکر ادا کیا۔ اور کتنی ہی مصیبتیں مجھ پر پڑیں

جنھیں تو نے زیادہ دیر تک باقی نہ رکھا۔ پس اے وہ کہ میرا شکر جس کی نعمتوں کے مقابلے میں کم ہے مجھے محروم نہ کر، اور اے وہ جس کی بلاء کے مقابلے میں میرا صبر قلیل ہے تو مجھے رسوا نہ کر۔ اے وہ کہ جس کی نیکیاں کبھی ختم ہونےوالی نہیں ہیں، اے وہ صاحب نعمات کہ جس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا، محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما، اور مجھے اس شر سے محفوظ رکھ کہ میں جانتا ہوں کہ اسے تو ہی ٹال سکتا ہے اور اس شر سے میں تیری پناہ چاہتاہوں" ......(۸۳)

اور ایسا ہی اختلاف آپ نے اس وقت کیا جب جزیرہ (مدینہ و اطراف))میں ابن زبیر کاوجود زیادہ عرصہ تک قائم رہااور آپ نے دیکھاکہ امامت کے راستوں جس کی قیادت امامؑ کررہے تھے کی خلاف ورزی میں ابن زبیر، بنوامیہ سے کم نہیں ہے بلکہ آپ کی اصلاحی روش کے لئے زیادہ خطرناک ہے، جس کا سبب یہ تھاکہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ، اموی حکومت کی حقیقت تو سمجھ گئی تھی لیکن اب تک زبیری حکومت سے ناآشنا تھی جسے اگر بنو امیہ پر پوری طرح سے فتح حاصل ہوگئی ہوتی تو یہ امام حسینؑ اور اہلبیت علیہم السلام کی اس عوامی تحریک کے لیے جسے انھوں نے اپنے خون اور اپنی قیمتی زندگیاں دے کر ایک صالح معاشرے کے طور پر تعمیر کیا تھا، زبردست خطرہ بن جاتی اور رسالت اور اسلام کے تاریخی ارتقا کے لئے ایک عمیق مصیبت بنکر سامنے آتی۔

امام سجاد علیہ السلام اس خطرے کو محسوس کرتے اور ابن زبیر کی مصیبت کو درک کرتے ہوئے اس پر حزن اور ملال کا اظہار کرتے اور اس کے اسباب کے سلسلے میں غور و فکر کرتے تھے، جیسا کہ آپ کے صحابی ابو حمزہ ثمالی نے روایت میں نقل کیا ہے (۵۸)۔

لیکن یہ مصیبت امت کے سر سے بآسانی گزر گئی اور امامؑ نے امت کے جسم سے لپٹے ہوئے خطرے اور اس سے پیدا ہونے والی مصیبت کے دور ہونے کے بعد سکون سے موجود امکانات و حالات کے تحت اپنے اصلاحی مشن کو جاری رکھا ...

اموی حکومت نے عبدالملک بن مروان کی حکومت کے ساتوں سال جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد ۶۵ھ میں برسر اقتدار آیا تھا ایک بار پھر بھرپور تسلط اختیار کر لیا اور اسلام کی مخلص طاقتوں کو جنھوں نے یزید کے بعد سے اب تک حکومت کو لرزہ بر اندام کر رکھا تھا بری طرح سے سرکوب کیا اور کچل ڈالا اور حقیقت میں یہ زمانہ اسلام کی مخلص تحریکوں اور نام نہاد زبیری تحریک کے خاتمہ کا زمانہ کہا جا سکتا ہے جس میں عبد الملک ابن مروان نے ان قوتوں کا چن چن کر صفایا کیا ......

لیکن اگر اسلام کی مخلص قوتیں عہد یزید بلکہ عبدالملک بن مروان کے اقتدار کے ابتدائی سالوں تک کبھی بھی بنو امیہ کی ریشہ دوانی کا سختی سے مقابلہ کرتیں تو ایسا نہیں تھا کہ ان کا یہ مقابلہ ناکام رہتا بلکہ انھیں بھی

شورش توابین اور انقلاب مختار ثقفی کی طرح فتح حاصل ہوتی ...... کیونکہ اس وقت امت کے وجدان کی گہرائیوں میں جہادی آثار بہت قوی اور مضبوط تھے۔

اموی حکومت کے دوبارہ طاقت میں آنے درباری مشکلات پر قابو پانے اور عوامی شورشوں کے خاتمے کے نتائج خاندان رسالت کے لئے بھی اچھے نہیں رہے بلکہ حیات اہلبیتؑ کی تاریخ میں پھر ایک نئے خونیں دور کا آغاز ہوا جو ماضی سے کچھ مختلف نہ تھا. عبد الملک بن مروان نے تمام کار آمد مؤمن قوتوں اور خاص کر علویوں کو نابود کرنے کا منصوبہ سرفہرست رکھا تھا اور اس کام کے لئے اس نے حجاج ابن یوسف ثقفی جیسے ظالم و خونخوار شخص کو کوفے کا حاکم و والی مقرر کیا. حجاج ابن یوسف نے کوفے پر تسلط جمانے کے بعد بڑے بیمانہ انداز میں وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا بازار گرم کیا وہ لوگوں کو صرف شبھہ اور گمان کی بنا پر آسانی سے جلادوں کے حوالے کردیتا تھا [۸۶] اس دردناک ماحول کی تصویر کشی امام محمد باقر(ع) اس طرح کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: "...... حجاج بر سرکار آیا اور اس نے مومنین کو بری طرح سے قتل کیا وہ انھیں ہر گمان اور تہمت پر قتل کرا دیتا تھا یہاں تک کہ اس کے نزدیک زندیق اور کافر کہا جانا شیعۂ علی کہے جانے سے بہتر تھا ...... [۸۷]

اس کی حکومت کے دوران اہلبیت کے بہت سے عظیم چاہنے والے جیسے

سعید بن جبیر اور کمیل بن زیاد وغیرہ اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کے بقول ان بیس سالوں میں، جس میں حجاج والی کوفہ تھا، اس ظالم و سفاک کے ظلم سے ایک لاکھ سے بھی زیادہ لوگ موت کے گھاٹ اتارے گئے اور جس وقت یہ مرا ہے اس وقت اس کے قید خانوں میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں[۸۸] صرف اہلبیت کی محبت کے جرم میں سختیاں اور مصائب اور اسلام حقیقی اور اللہ کی راہ میں مشکلات و مصیبتوں میں زندگی گزار رہے تھے لیکن چونکہ امام سجادؑ نے اموی حکومت کے خلاف کوئی بھی سیاسی یا مسلحانہ اقدام نہ ابتدائی ان دس سالوں میں کیا جو امام حسین (ع) کے بعد ہو اور نہ ہی بعد کے زمانے میں کیا، ورنہ نہ صرف یہ کہ آپؑ اس میں کامیاب نہ ہوسکتے بلکہ بنو امیہ کی تمامتر سختیاں اور ان کے سارے ظلم و تشدد کا نشانہ بھی آپ ہی بنتے، کیونکہ بنو امیہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ راہ خدا کے حقیقی نمائندے آپ ہی ہیں اور امت میں ان کے خلاف خطرہ آپ ہی کی ذات سے پیدا ہوا ہے اور آپ کے علاوہ یہ فکری سوجھ بوجھ کسی دوسرے میں نہیں ہے۔

حالانکہ امام علیہ السلام اموی قوتوں کے باقاعدہ طریقہ سے زیر نظر تھے اور اموی حکومت آپکے قدم قدم کی نگرانی کر رہی تھی یہاں تک کہ آپ کے خصوصی اور ذاتی امور بھی حکومت سے پوشیدہ نہ رہ پاتے تھے۔ جیسا کہ تاریخی حقائق اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں،۔ یزید بن حاتم کا بیان ہے کہ

عبدالملک بن مروان کا ایک جاسوس مدینہ میں تھا جو اسے تمام حادثات و واقعات کے بارے میں لکھا کرتا تھا۔ امام علی بن الحسین (ع) نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کرکے اس سے شادی کرلی۔ تو جاسوس نے عبدالملک کے پاس یہ بھی لکھا۔ پھر عبدالملک نے امام سجادؑ کے پاس خط بھیجا جس میں لکھا کہ: "اما بعد! میرے پاس تمھاری اپنی کنیز سے شادی کی خبر پہونچی ہے حالانکہ تمہارے خاندان میں قریش کی عورتیں بھی موجود تھیں جن سے تم شادی کرسکتے تھے اور ان سے اولاد حاصل کرسکتے تھے تم نے اپنی قدر نہ پہچانی اور اپنی اولاد کی شرافت کا خیال نہ کیا [۸۹]۔

اس خط کو پاکر امام سجادؑ نے اسے جواب میں لکھا: "اما بعد! تیرا خط مجھ تک پہونچا، تو نے مجھے کنیز سے شادی کرنے پر مجھے سرزنش کی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ مجھے قریش کی عورت سے شادی کرنا چاہئے تھی جب کہ کوئی شرف و فضیلت میں رسول اللہؐ سے بڑھکر نہیں ہے اور نہ ہی کرم و عظمت میں آنحضرتؐ سے زیادہ ہے۔ وہ میری کنیز تھی جسے میں نے بطور ثواب آزاد کیا تھا اور پھر سنت پر عمل کرتے ہوئے اس سے شادی کرلی جبکہ اسلام نے اپنے ہر ماننے والے کو شرافت و شخصیت بخشی ہے اور جو بھی اس کے دائرہ میں آگیا اسے وہ ہر عیب و نقص سے پاک کردیتا ہے پس کسی مسلمان کے لئے کوئی ننگ و عار نہیں ہے ننگ و عار تو جاہلیت کے لئے ہے والسلام [۹۰]۔

زرارہ سے روایت ہے کہ امام علی بن الحسینؑ نے امام حسنؑ کی کنیز سے

شادی کرلی ، اور اپنی مربیہ کنیز کی شادی اپنے غلام سے کردی ، جب یہ خبر عبدالملک بن مروان کو ملی تو اس نے امامؑ کو لکھا ،

"اے علی بن الحسینؑ ، ایسا لگتا ہے کہ اپنی قوم میں تمہیں اپنے مقام کا اندازہ اور عوام میں اپنی قدر و منزلت معلوم نہیں ہے ۔ تم نے خود ایک کنیز سے شادی کرلی اور اپنی مربیہ (کنیز) کی شادی اپنے غلام سے کردی ہے"(۱۰) ۔

"امام علیہ السلام نے عبدالملک کو جواب میں لکھا : "میں تیرے خط کے مضمون کو سمجھ گیا (لیکن یاد رکھ) ہمارے لئے رسول اللہؐ کی سیرت حسنہ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ انھوں نے اپنی چچازاد بہن زینب کی شادی اپنے غلام زید سے کی اور اپنی کنیز صفیہ بنت حیّ بن اخطب سے خود شادی فرمائی"(۱۱) ۔

اگرچہ عبدالملک بن مروان بظاہر بنو عبدالمطلب کا خون بہانے سے گریز کرتا تھا ، جیسا کہ اس نے حجاج بن یوسف کو ایک خط میں بھی لکھا تھا لیکن اس کے باوجود مدینہ منورہ میں امام سجادؑ کے فکر و عمل کے نتائج سے کہ جن سے آپ کے نقوش میں استحکام اور عوام میں آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہورہا تھا ، بہت جلد تنگ آگیا ۔ چنانچہ اس نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور آپ کو سرکشی کے جرم میں وزنی لوہے کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں گرفتار کرکے دمشق بھیج دیا گیا تاکہ آپ دنیائے اسلام میں اپنی تبلیغی روش

سے باز آجائیں ۔ عبدالملک کا یہ اقدام امامؑ کو عوامی حلقے سے دور کرنے اور مدینے میں اپنے شاگردوں سے علیحدہ کرنے کے لئے تھا ، لیکن امامؑ نے اپنی روحانی قوت اور الٰہی کرامت کے ذریعہ بنو امیہ کو اپنی سیاسی چال بدلنے پر مجبور کردیا اور امامؑ دوبارہ خیریت کے ساتھ حرم رسولؐ مدینہ منورہ میں واپس آگئے ۔

عبدالملک کی موت کے بعد حالات اور بدتر ہوگئے جب اس کے بعد زمام حکومت ولید نے اپنے بیٹے کے حوالے کردی ۔ اس وقت امت مسلمہ میں ہیں امام سجادؑ کے اصلاحی مشن کے علاوہ ساری تحریکیں اور شورشیں تھم چکی تھیں اور صرف امام سجادؑ تھے جو اوامر و ارشادات ، امر بالمعروف ، اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے تھے اور آپ کا یہ اقدام بنوامیہ کے حکام و روساء کے گمراہ کن راستوں کے لئے سخت خطرہ اور ان کے طریقہ کار کے لئے بہت خطرناک تھا ۔۔ لیکن بنو امیہ ، عبدالملک کے تجربہ سے یہ سمجھ چکے تھے امامؑ کے مشن کو گرفتاری یا نظر بندی کے ذریعہ نہیں روکا جا سکتا ، جس طرح ان کے شیعوں کو کوفے میں قتل و گرفتاری سے نہ روکا جاسکا تھا ۔۔ انھیں اس بات کا بھی احساس ہوچکا تھا کہ انکے اپنے مقاصد تک پوری طرح سے پہونچنے کا خواب صرف اور صرف روح جہاد و قیام کے خاتمہ اور رہبر راہ الٰہی کے قتل سے ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے اور انکے قتل سے ہی اموی ظلم و ستم و بربریت کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کا گلا گھونٹا جا سکتا ہے ۔

یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر انھوں نے امامؑ کے خاتمے کا نقشہ کھینچنا، اور پھر ویسا ہی کیا ... اور ولید کے عہد حکومت میں سلیمان بن عبد الملک کے ذریعہ آپکو زہر دے دیا گیا، جس سے اس عظیم امام(ع) کی زندگی پر موت کا پردہ پڑگیا.

لیکن آپ کے کردار و افکار کائنات کی نبض حیات بنکر باقی ہیں، جو قافلہ تاریخ بشریت کی سلامتی اور شادابی کے ضامن ہیں اور جن سے ہمیشہ ہدایت و فضیلت کے چشمے پھوٹتے رہیں گے۔

سلام ہو آپؑ پر اور تمام ائمہؑ پر، ان کے آباء کرام پر۔ ان کی اولاد اطہار پر اور ان تمام ذوات مقدسہ پر جنھوں نے تبلیغ اسلام کا بوجھ اٹھایا اور اس راہ میں جام شہادت سے سیراب ہوئے۔

والحمد الله رب العالمین

حوالے

۱۔ متفق علیہ ہے کہ یہ آیت رسول اکرمؐ علی، فاطمہ، حسن و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی جس کی تمام روایتیں علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر "المیزان" میں نقل کی ہیں۔

۲۔ تفسیر کبیر، فخر رازی، تفسیر سورہ شوری آیت ۲۳۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، محب الدین طبری ص ۲۵ در منثور سیوطی ج /۶ ص۔ ۷۔

۳۔۴۔ تفسیر کبیر، فخر رازی تفسیر سورہ احزاب آیت۔ ۵۶۔

۵۔ امام زین العابدین، مقرم / ص۔ ۱۳۔

۶۔ السیرۃ النبوہ و الآثار المحمدیہ، احمد زینی دحلان ص ۶۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب / ج۔ ۳۔ ص۔ ۳۲۳۔

۷۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب۔

۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج۔ ۲/ ص۔ ۲۸۵۔

۹۔ اہل البیت، توفیق ابو علم۔

۱۰۔ ینابیع المودۃ، بلخی قندوزی ج۔ ۲/ ص۔ ۱۰۵۔ بحار الانوار/ ج۔ ۳۶

ص۔ ۲۵۵۔ کمال الدین / ص۔ ۱۵۷۔

۱۱۔ ینا بیع المودۃ۔ بلخی قندوزی ج۔ ۲ / ص۔ ۱۰۵۔ بحارالانوار ج۔ ۳۶

کفایۃ الاثر / ص۔ ۱۹۔ کمال الدین / ص۔ ۱۴۳۔ عیون الاخبار / ص۔ ۳۸

۱۲۔ ۱۳۔ اھل البیت، توفیق ابو علم

۱۴۔ مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۸، اور اسی مضمون کی دوسری روایات صحیح بخاری ج ۶ ص ۸۱۔ صحیح مسلم / ج۔ ۶ / ص۔ ۴ / ج۔ ۳ / ص۔ ۴۔ بحار الانوار / ج۔ ۳۶ / ص۔ ۲۳۰ میں درج ہیں۔

۱۵۔ بحارا الانوار ج۔ ۳۶ / ص۔ ۲۵۰۔ کمال الدین / ص۔ ۱۳۶۔ کفایۃ الاثر / ص۔ ۷۔

۱۶۔ کمال الدین / ص۔ ۲۵۲۔ بحارالانوار / ج۔ ۳۶ / ص۔ ۲۵۲۔ احتجاج طبرسی / ص۔ ۴۲۔

۱۷۔ کمال الدین ۱۵۷۔ الخصال / ج۔ ۲ / ص۔ ۷۷۔ ۷۸۔ عیون الاخبار / ص۔ ۲۹۔ ۲۸۔ بحار الانوار جلد۔ ۳۶ / ص۔ ۲۳۱۔

۱۸۔ اعلام الوری، طبرسی / ص۔ ۲۰۷۔ بحارالانوار / ج۔ ۴۲ / ص۔ ۲۵۰ وغیرہ۔

۱۹۔ اعلام الوری / ص۔ ۲۵۲۔ مناقب آل ابی طالب / ج۔ ۴ / ص ۱۶۴

۲۱۔ ۲۰۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۴۰۔

۲۲۔ اھل البیت۔ ابو علم۔

۲۳ـ تذکرة الخواص "ذکر علی بن الحسین ع"
۲۴ـ نور الابصار ص ۲۰۰
۲۵ـ اہل البیت ـ ابو علم ـ المجالس السنیہ / ج ـ ۲ـ
۲۶ـ المجالس السنیہ۔
۲۷ـ مناقب آل ابی طالب ج ۴۔ المجالس السنیہ / ج ـ ۲ "عبادت زین العابدینؑ"
۲۸ـ مناقب آل ابی طالب / ج ـ ۴ "آپ کے روزہ وحج"
۲۹ـ مناقب آل ابی طالب / جلد ـ ۴، "آپ کے روزہ وحج"
۳۰ـ صحیفہ سجادیہ امام زین العابدین، مناجاۃ الذاکرین ـ
۳۱ـ ارشاد مفید / ص ـ ۲۴۲۔
۳۲ـ مناقب آل ابی طالب ج ۴ "صدقہ امام"
۳۳ ـ ۳۴ ـ ۳۵ ـ تذکرة الخواص، سبط ابن جوزی "فضائل علی بن الحسین (ع)"
۳۶ـ المجالس السنیہ / ج ـ ۲۔
۳۷ـ تذکرة الخواص، سبط بن جوزی "ذکر علی بن الحسینؑ"
۳۸ـ ارشاد شیخ مفید / ص ـ ۲۴۱۔
۳۹ـ مناقب آل ابی طالب / ج ـ ۲ "آپکا علم و حلم و تواضع" المجالس السنیہ ج ۴ "حلم زین العابدین (ع) ـ ارشاد مفید / ص ـ ۲۴۰۔

۴۰_ کشف الغمہ / ج۔۲ / ص۔ ۲۸۸۔۲۹۰۔

۴۱۔ مناقب آل ابی طالب / ج۔ ۲ " آپکا کرم و صبر"۔ ارشاد مفید از تاریخ طبری۔ تذکرۃ الخواص، ابن۔ جوزی "احوال علی بن الحسین"

۴۲_ امام زین العابدینؑ مقرم از طبری / ج۔۷ / ص۔۷۔۔بحار الانوار از کامل ابن الاثیر / ج۔۴ / ص۔۴۸ ط بولاق۔

۴۳۔ اشعہ من حیاۃ الامام الحسین بن علی (ع) منشورات التوحید۔

۴۴_ زین العابدین مقرم / ص۔ ۱۴۹۔

۴۵_ (مفصل روایت) امام زین العابدینؑ، مقرم / ص۔ ۱۴۹ از معانی الاخبار، صدوق۔

۴۶_ امام زین العابدینؑ، مقرم / ص۔ ۱۵۲ از اصول کافی باب ذم الدنیا۔

۴۷_ مجموعہ ورام، ورام الاشتری / ص۔ ۹۴ / ج۔۲۔

۴۸_ امام زین العابدینؑ، مقرم / ص۔ ۱۳۲۔

۴۹_ (اس سے زائد کے لئے رجوع کریں) رسالۃ الحقوق در خصال صدوق، تحف العقول۔ ابن شعبہ حرانی۔ من لا یحضرہ الفقیہ، صدوق وغیرہ۔

۵۰_ اشعہ من حیاۃ امام الحسین بن علیؑ، منشورات دار التوحید

۵۱_ ۵۲_ من حیاۃ الامام الحسین بن علیؑ، منشورات دار التوحید۔

۵۳_ مناقب آل ابی طالب ج ۳ "علم و حلم" من لا یحضرہ الفقیہ،

صدوق / ج۔۲/ ص۔۱۴۱۔

۵۴۔ مقتل الحسین، مقرم/ ص۔ ۳۶۵۔ احتجاج طبرسی/ ج۔۲۔

۵۵۔ احتجاج طبرسی/ ج۔۲/ ص۔۳۱۔

۵۶۔ مقتل الحسین، مقرم/ ص۔ ۴۴۹ از تفسیر ابن کثیر/ ج۔۴/ ص۔۱۱۲۔ روح المعانی۔ مقتل الخوازمی/ ج۔۲/ ص۔۴۱ (تفصیل کے لئے) احتجاج طبرسی/ ج۔۲/ ص۔۲۳۔

۵۷۔ احتجاج طبرسی/ ج۔۲/ ص۔۳۹۔

۵۸۔ مقتل الحسین، مقرم/ ص۔ ۴۵۲۔

۵۹۔ احتجاج طبرسی/ ج۔۲/ ص۔ ۳۴۔ مقتل الحسین مقرم/ ص۔ ۴۵۴۔

۶۰۔ (آپ کا خطبہ مدینہ) مقتل الحسینؑ، مقرم/ ص۔ ۴۸۵۔

۶۱۔ اشعۃ من حیاۃ امام الحسین بن علیؑ، منشورات دار التوحید۔

۶۲۔ مروج الذہب، مسعودی/ ج۔۲/ ص۔ ۹۲ وغیرہ۔

۶۳۔ ارشاد مفید/ ص۔ ۲۳۲۔

۶۴۔ مروج الذہب، مسعودی۔

۶۵۔ تاریخ الشیعہ، محمد حسین مظفر/ ص۔ ۳۴۔

۶۶۔ اغانی، مناقب آل ابی طالب، ارشاد مفید امام زین العابدینؑ، مقرم/ ص۔ ۳۹۵ اور بحار الانوار/ ج۔۳۶/ ص۔۱۲۱ کا مطالعہ کیا جائے۔

۶۷۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی / ج۔ ۴۶ / ص۔ ۱۳۳۔

۶۸۔ گذشتہ حوالہ۔

۶۹۔ مناقب آل ابی طالب / ج۔ ۳۔

۷۰۔ دنیائے اسلام میں ان کی عظمت کو جاننے کے لئے رجال الکشی قاموس الرجال وغیرہ کا مطالعہ کیاجائے۔

۷۱۔ مناقب آل ابی طالب / ج۔ ۴ / ص۔ ۱۶۱۔

۷۲۔ مناقب آل ابی طالب "آپکا صبر اور گریہ"۔

۷۳۔ امام زین العابدینؑ، مقرم/ص۔ ۳۴۳ از ثواب الاعمال، صدوق۔

۷۴۔ عقائد الامامیہ، شیخ محمد رضا (ادعیہ الصحیفہ السجادیہ) کا مطالعہ کیا جائے۔

۷۵۔ صحیفہ سجادیہ کا مطالعہ کیا جائے۔

۷۶۔ مناقب آل ابی طالب / ج۔ ۳ "آپکا صدقہ"۔

۷۷۔ گذشتہ حوالہ

۷۸۔ بحارا الانوار / ج۔ ۴۶ "آپکا مکارم اخلاق و علم" کشف الغمہ / ج۔ ۲، فضائل امام زین العابدینؑ۔

۷۹۔ بحار الانوار گذشتہ صفحہ، امام زین العابدینؑ، مقرم۔

۸۰۔ مناقب آل ابی طالب/ ج۔ ۳، بحار / ج۔ ۴۶ "مکارم اخلاق"۔

۸۱۔ بحارالانوار / ج۔ ۴۶ از الکامل ابن اثیر / ج۔ ۴ / ص۔ ۴۸۔

۸۲ ـــ امام زین العابدینؑ ، مقرم۔

۸۳ ـــ بحار الانوار / ج۔ ۴۶ از الاختصاص / ص۔ ۳۴۹ ، زین العابدینؑ مقرم / ص۔ ۲۷۳۔

۸۴ ـــ ارشاد شیخ مفید / ص۔ ۲۴۳۔

۸۵ ـــ بحار الانوار / ج۔ ۴۶ " آپکی احادیث نادرہ " ص۔ ۱۴۵ از الخرائج والجرائح / ص۔ ۱۹۶۔

۸۶ ـــ تاریخ اسلام حسن ابراہیم حسن / ج۔ ۱ / ص۔ ۳۰۱ اور اس کے بعد ...

۸۷ ـــ شرح نہج البلاغہ / ج۔ ۱۱ / ص۔ ۴۴ دار احیاء الکتب العربیہ۔

۸۸ ـــ الشیعہ والحاکمون ، محمد جواد مغنیہ " الحجاج "۔

۸۹ ـــ بحار الانوار / ج۔ ۳۶ / ص۔ ۱۳۶ از الکافی / ج۔ ۵ / ص۔ ۳۴۴۔

۹۰ ـــ گذشتہ حوالہ اور بحار / ج۔ ۴۶ / ص۔ ۱۳۹۔

۹۱ ـــ گذشتہ حوالہ اور بحار / ج۔ ۴۶ / ص۔ ۱۳۹۔

عالمی اہل بیت کانفرنس کے دوسرے عمومی اجلاس کی مناسبت سے

On the Occasion of the
2nd General Session
of the Ahl al Bayt (a.s) World Assembly.



Adress: P.O.BOX 37185/837 Qum
Islamic Republic of Iran

ISBN 964-472-096-2

N. – 76 – 197